سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ

کلام اور اردو ترجمہ



الفیصل

سچّل سرمستؒ

سندھی، پنجابی، فارسی اور اُردو کلام

اُردو ترجمہ

شفقت تنویر مرزا

زیرِ اہتمام

مشترکہ اشاعتی پروگرام



Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

الفیصل ناشران و تاجرانِ کُتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور



Urdu Translation
Shafqat Tanveer Mirza

Executive Editor/Publisher
Khalid Javaid

Editor
Mazhar Ul Islam

Title Designed
Athar Rasul

Publication Officer
S. Muhammad Ali

A Joint Venture of
Lok Virsa, Islamabad
and
Al-Faisal Nashran Lahore.

Al-Faisal Nashran
Ghazni Street, Urdu Bazar,
Lahore, Pakistan.
Ph: 042-7230777



Garden Avenue, Shakarparlar.
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

سندھ کی ہیروئن ماروی کے نام

جسے عمر سومرو کے شاہی محل میں نہ
اپنا ریگ زار بھولا اور نہ اپنے غریب مارو

ترتیب



پبلشر نوٹ

پاکستان گوناں گوں تہذیبی وثقافتی روایات کے ساتھ ساتھ دنیا کی عظیم اور گرانقدر صوفیانہ روایات کی امین سرزمین بھی ہے۔ جہاں صوفیاء کرام نے تہذیب وثقافت کے فروغ اور اخلاقی و روحانی تربیت کا ایک ایسا تسلسل قائم کیا جو ہزار سال کے طویل عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔

صوفیائے کرام نے برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے لئے اُن کے پاس اقتدار کی طاقت تو نہ تھی مگر اخلاق اور عوامی روایات کا وہ خزانہ ضرور تھا جس نے انہیں عام لوگوں میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز کر دیا کہ آج صدیوں بعد بھی اُن کی تعلیمات، اُن کی شاعری اور اُن کی اخلاقی و روحانی قدروں کا عکس ہماری زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ سچل سرمست کی اعلیٰ اخلاقی قدروں نے ہی انہیں سچل کہلوایا، روایت ہے کہ آپ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اسی لئے بچپن ہی سے آپ کا نام سچو یا سچل پڑ گیا تھا۔

سید علی ہجویری کا کہنا ہے کہ جو شخص خوش گوار آواز اور نغمہ و ترنم کو پسند نہیں کرتا وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا اس میں حس لطیف بالکل مفقود ہے۔ ایسا آدمی اپنی بے حسی اور کور ذوقی کے باعث جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

سچل سرمست کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے، اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر لکھ لیتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ ”یہ کسی کہنے والے نے کہا ہوگا مجھے کچھ یاد نہیں“۔

مرزا علی قلی بیگ نے ایک جگہ سچل سرمست کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر آپ نے اپنے سب مسودوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام سے متعلق شک پیدا ہو گیا تھا کہ

کہیں لوگ اس کا غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے حلقہ بگوشوں اور عقید تمندوں کے اصرار پر آپ نے اُپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ عقید تمندوں کو جو کلام یاد تھا وہ اُسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق آپ کی کُل کافیوں کی تعداد نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھی۔

لوک ورثہ نے صوفیائے کرام کی اس گرانقدر ثقافتی میراث کو بچانے، اسے آگے بڑھانے اور آنے والی نسلوں کو اس سے روشناس کرانے کے لئے ثقافتی معلومات کو باقاعدہ ڈاکومنٹ کرنے اور اسے کتاب کی صورت میں محفوظ کرنے کے لئے اشاعتی پروگرام کا آغاز کیا اور پہلی بار لوک ادب، لوک گیت، لوک داستانیں، ثقافتی معلومات، ثقافتی فنون، صوفیاء کے کلام اور حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا اور ثقافتی موضوعات پر سینکڑوں کتابیں شائع کیں۔ خاص طور پر صوفیاء کے حوالے سے ان کے حالات اور شاعری پر مشتمل کتابوں کی ایک سیریز کا سلسلہ شروع کیا جس کے تحت اب تک ۳۵ سے زائد کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔

کتاب کی اہمیت اور اس سے متعلقہ جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے لوک ورثہ کے اشاعتی پروگرام کو مزید موثر، وقت کے تقاضوں کے مطابق اور دلچسپ بنانے کے لئے نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ان کتابوں کو نہ صرف ان کے مواد، تصاویر اور طباعت کے لحاظ سے جاذب نظر بنانے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ ان کی منظم مارکیٹنگ کے لئے نجی ادارے کی شراکت سے ایسا نظام ترتیب دیا کہ کتاب شائع ہوتے ہی نہ صرف ملک بھر میں دستیاب ہو بلکہ اس کی موثر تشہیر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کی جائے۔ اس سلسلے میں لوک ورثہ میسرز الفیصل ناشران لاہور کے محمد فیصل صاحب کا مشکور ہے کہ انہوں نے ادارے کے مشترکہ اشاعتی پروگرام میں شامل ہو کر اس کام میں ہماری معاونت کا فیصلہ کیا۔

قبل ازیں ''سچل سرمست'' کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ صوفیائے کرام اور ان کے حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت ہماری ترجیحات میں شامل ہے اور اس سلسلے میں لوک ورثہ اب تک خاطر خواہ کام کر چکا ہے۔

خالد جاوید
ایگزیکٹو ڈائریکٹر

سچل سرمستؒ کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ان کے آباؤ اجداد
پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت
عمر فاروق رضی سے ملتا ہے۔ ان کے آبا واجداد سیوستان یا سیہون کے حکمرانوں میں تھے اور
محمود غزنوی کے عہد تک سیہون پر حاکم رہے مگر خود سچلؒ کے لئے یہ باتیں کوئی زیادہ اہمیت
نہیں رکھتیں، ان کے لئے اپنے خانوادے میں سے سب سے اہم ان کے دادا خواجہ
محمد حافظ عرف میاں صاحب ڈِنہ اور اس کے بعد ان کے مرشد چچا اور سسر خواجہ
عبدالحقؒ جو حضرت صاحب ڈنہ کے سجادہ نشین ہوئے، خواجہ محمد حافظؒ کا ذکر حضرت
سچل سرمستؒ نے فارسی، پنجابی اور سندھی تینوں زبانوں میں بڑے اہتمام سے کیا ہے
پنجابی میں اپنا تعارف لکھا اور بات حضرت صاحب ڈنہ سے شروع کی۔ فارسی میں مثنوی
"رازنامہ" میں خواجہ محمد حافظؒ کی زندگی میں انقلاب لانے والا واقعہ بھی تفصیل سے درج کیا
خواجہ محمد حافظؒ فاروقی خاندان کے کامل ولی اور بلند پایہ شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ

۱۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی (سندھی کے مشہور بزرگ اور شاعر شاہ لطیف بھٹائی، خواجہ محمد حافظؒ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب کی پیدائش ۱۱۰۲ھ/۱۶۸۹ء اور وفات ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء ہے) اس زمانے میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ یہ حکومت محمد حافظؒ کی نوعمری ہی میں قائم ہوئی اور ان کے انتقال کے چند سال بعد تک قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سندھ پر سے مغلوں کی حکمرانی کا طویل دور ختم ہوا۔ اس دور کا خاتمہ محمد حافظ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کلہوڑوں کے سورج کا طلوع و غروب بھی دیکھا۔ محمد حافظ کلہوڑوں کے عہد میں ممتاز عہدے پر فائز تھے اور ان کا قیام بکھر یا سکھر کی انتظامیہ کے تحت خیرپور کے نواح میں ہی تھا۔ روائت ہے کہ ایک بار آپ اپنے ماتحت افراد اور نوکروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کسی دورے پر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب عورت بی بی بصری نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں روک لیا اور کہا کہ انہیں تو بارگاہِ ایزدی سے حقیقی بادشاہت عطا ہوئی ہے وہ دنیا کے دھندوں میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں، بی بی بصری کی اس بات نے ایک دم ان کے دل و دماغ میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی، غالباً ذہنی طور پر وہ دنیادی انتظامیہ سے وابستگی کو پہلے بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ بی بی بصری انہیں مکمل قطع تعلق تک لے گئیں اور محمد حافظؒ نے اسی دم اپنے گھوڑ سوار ساتھی، تزک و احتشام اور جاہ و مراتب کو خدا حافظ کہا اور جنگل کی راہ لی۔ روائت کے مطابق جنگل میں شیر کا غار تھا۔ خواجہ محمد حافظؒ نے تنہائی کی زندگی اختیار کی اور اس غار میں عبادت میں مستغرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے مسلسل وہاں چالیس چلے کاٹے یعنی اس غار میں انہوں نے کم و بیش ساڑھے چار سال بسر کر دیئے۔ اسی اثنا میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے

ایک بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ تشریف لائے اور غار کے منہ پر کھڑے ہو کر آواز دی "اب خربوزہ پک چکا ہے باہر تشریف لائیں تاکہ خلق خدا آپ سے مستفیض ہو"۔ خواجہ محمد حافظؒ یہ سن کر باہر آ گئے۔ خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے فرمایا "یہ فیض آپ کے جد امجد خواجہ ابوسعید فاروقیؒ کا عطا کردہ ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں"۔

خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے رخصت ہونے سے پیشتر آپ کو خاص طور پر تین نصیحتیں کیں (۱) آپ کے ہاں دو بیٹے ہوں گے ان میں سے چھوٹے بیٹے کو گدی سپرد کرنا کیونکہ بڑے لڑکے میں سے ایک سرمست پیدا ہوں گے وہ لاولد ہوں گے لیکن چھوٹے بیٹے کی پشت قائم رہے گی (۲) آپ کے خاندان کا ہر فرد اپنے سجادہ نشین کو اپنا مرشد بنائے گا۔ کسی دوسری درگاہ کا مرید نہیں ہو گا (۳) آپ اور آپ کی وفات کے بعد جو بھی سجادہ نشین ہو گا وہ اپنی درگاہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔

آخری ارشاد سن کر خواجہ محمد حافظؒ رنجیدہ ہوئے اور عرض کی کہ اگر مجھے سرورِ کائناتؐ کے روضے کی زیارت کا اشتیاق ہو تو میں کیا کروں، خواجہ عبیداللہ نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو تمہاری درگاہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی جس میں دوسرے اولیاء کرام بھی موجود ہوں گے تمہیں حضورؐ کی خاطر کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، سچل سرمستؒ کے خلیفہ اور سندھی شاعر نانک یوسف فقیر نے کہا ہے۔

حڪم ايھو دڳاھ تي مولیٰ قادر قدس ڪرا و ٿي
شاه قطب جيلاني جي شو قتون طبل نيھه نقاره ٿي
روز ڪچهري پيغمبر جي شه دراذن وارد ٿي

یہ حکم بارگاہِ ایزدی سے جاری ہوا اور شاہ قطب جیلانی نے کہا کہ دراز اشریف میں

روزانہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی۔

روائت سے قطع نظر درازا شریف کی اہمیت کا آغاز بھی بڑی حد تک خواجہ محمد حافظؒ سے اور انتہا بھی انہی سے ہے۔ درگاہ سے باہر نہ جانے کی روائت ڈیڑھ سو سال سے زیادہ تک جاری رہی مگر اب یہ روائت ترک کر دی گئی ہے، خواجہ محمد حافظؒ نے بعد میں ایک مرحلہ پر عبیداللہ جیلانیؒ کی دوسری ہدایت کے بارے میں اپنے دونوں بیٹوں کو آزمایا۔ روائت ہے کہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے میاں صلاح الدین کو حکم دیا کہ فلاں درخت کے قریب میرا لوٹا رکھا ہے وہ لے آؤ میاں صلاح الدین جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خون کا ایک دریا موجزن ہے جسے دیکھتے ہی ان کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی اور فوراً واپس آ گئے اس کے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے میاں عبدالحق سے لوٹا لانے کے لئے کہا انہیں بھی خون کا دریا ہی نظر آیا مگر وہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئے اور دریا میں کود گئے تو وہاں کوئی دریا نہ تھا وہ لوٹا لے کر واپس اپنے والد کے پاس آ گئے اس واقعہ کے بعد خواجہ محمد حافظؒ نے میاں عبدالحق کی سجادہ نشینی کا اعلان کر دیا۔

سچل سرمستؒ کے تقریباً تمام سوانح نگار خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیف بھٹائی کی ملاقات کے بارے میں متفق الرائے ہیں تاہم تفصیل میں اختلاف ہے شاہ لطیف بھٹائیؒ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر کئی برس جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ سندھ کے دور دراز علاقوں میں گھومتے رہے۔ لس بیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاواڑ، جیسلمیر اور ملتان کی سیر و سیاحت کی اور اپنے وقت کے مشہور اولیائے کرام سے مستفیض ہوئے۔ یہ سارا سفر انہوں نے پیدل ہی کیا تھا۔ یہ روایت مخدوم غلام محمد کھہڑا (تحصیل گمبٹ ضلع خیرپور) سے منسوب ہے کہ حضرت شاہ لطیف بھٹائیؒ کھہڑا

شہر کی طرف جا رہے تھے کہ درازا شریف سے گذرے۔ میاں صاحب ڈنہ اس وقت ایک غار میں چلہ کشی میں مصروف تھے۔ حضرت شاہ لطیفؒ نے فرمایا "ہمیں اس جگہ سے ایک پکے خربوزہ کی خوشبو آرہی ہے"۔ ایک اہلِ دل درویش شاہ لطیفؒ کے اشارے کو سمجھ گیا اور عرض کی کہ پہلو کی جھاڑیوں میں خواجہ محمد حافظؒ چلہ کشی میں مصروف ہیں یہ سن کر شاہ لطیفؒ غار کے اندر گئے اور خواجہ محمد حافظؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ "اب محبوب کو چھپانا اچھا نہیں، چلو باہر چلیں۔ اس طرح شاہ لطیفؒ، خواجہ محمد حافظؒ کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے اور دونوں بزرگ اوتارہ (فقیروں کی جھونپڑی) میں بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے۔

ایک دوسری روائت ہے کہ کھہڑا شہر میں چنیہہ نام کا ایک شخص اُجن قبیلے سے تھا وہ خواجہ محمد حافظ ڈنہؒ کا خاص مرید تھا۔ چلہ کشی کے دوران ہر روز ان کی خدمت میں دودھ لے کر آیا کرتا تھا۔ جس روز غار میں خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیفؒ گفتگو کر رہے تھے چنیہہ فقیر بھی دودھ لے کر آگیا۔ غار کے اندر جانے لگا تو خواجہ محمد حافظؒ نے دیکھ لیا اور دور سے آواز دی کہ چنیہہ آج یہاں آگ جل رہی ہے اندر مت آنا مگر چنیہہ کو تو اسی آگ کی تلاش تھی وہ دیوانہ اندر چلا گیا۔ خواجہ محمد حافظؒ اس کی ہمت اور جرأت سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "چنیہہ آج تیرے نام سے "چ" کا حرف نکل گیا، بس اب تو "نیہہ" یعنی سراپا عشق ہے"۔ اس کے بعد چنیہہ درویشِ کامل بن گئے اور ان کی اولاد میں پشت ہا پشت تک فقیر اور درویش گذرے ہیں۔ ان کی اولاد کھہڑا شہر میں ہے۔

خواجہ محمد حافظؒ صاحبِ کرامات بزرگ تو تھے ہی مگر تصوف کے سلسلہ کی روایات کے مطابق سندھی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ شاعری افکار کی تبلیغ کا ذریعہ تھی اور تبلیغ چونکہ

عام انسانوں یعنی عاموں میں مقصود تھی اس لئے انہوں نے اس علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کا سہارا لیا۔ ان کی ایک پنجابی کافی ہے۔

صورت بشری کر کے بہانہ ہر رنگ دے وچ رنگ رچائم
یعقوب ہو کے بیٹڑا جائم یوسف اپنا نام دھرائم
آپ کو آپے کھو ہے پائم قیدی ہو کے در کنعان
آپے اپنا مل چکائم
حیدر بن کے حملہ کیتم ہو کے حسن میں زہر چا پیتم
نال نیازی دے نالڑا نیتم چھوڑ مدینہ، ملک، مکان
کربل دے وچ کندھڑا کپائم
کداں شریعت دے وچ شادی کداں معرفت کراں منادی
کداں حقیقت دا ہاں ہادی کداں طریقت کر طولان
ہر مظہر وچ حکم ہلائم
مخفی بھی ہیں ہوں ظاہر بھی ہیں ہوں ناظر تے منظور بھی ہیں ہوں
تجلی بھی ہیں ہوں طور بھی ہیں ہوں موسیٰ نوں چا کر مستان
صاحب ڈنہ ہی نام سڈائم

سچل سرمستؒ کے بزرگوں میں سے سچلؒ کے لئے جو سب سے زیادہ واجب الاحترام بزرگ تھے وہ یہی خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہؒ تھے۔ اس کے بعد خواجہ عبدالحقؒ کا مقام آتا ہے۔ سچلؒ کے دل و دماغ پر خواجہ محمد حافظؒ چھائے رہے اس لئے ان کی شاعری پر بھی خواجہؒ کے افکار کے گہرے سائے ہیں۔ مندرجہ بالا کافی سچلؒ کے سلسلہ شاعری کی ہی

ایک کڑی نظر آتی ہے یا یوں کہیئے کہ سچلؒ کی ساری شاعری اس کافی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں انہی کے حوالے سے سچلؒ کے لئے درازا دنیا کا سب سے اہم مقام بھی بن گیا۔ مدینہ سے درازا تک صدیوں پر پھیلا ہوا سفر سچلؒ کی شاعری میں قدم قدم پر اپنا رنگ دکھاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس طرف بھی ایک روزنِ در سے دیکھ لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز پورے خاندان کے ساتھ حجاز سے ہجرت کر کے عراق میں آ گئے ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء میں جب عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی کمان میں سندھ کو مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا تو شیخ شہاب الدین کو جو اپنے عہد کے اہم مدبر اور سیاستدان تھے اس نوجوان سپہ سالار کے ہمراہ مشیر کی حیثیت سے بھیج دیا کیونکہ جب سندھ پر مسلمانوں کو پہلے حملے میں شکست ہوئی تو شیخ شہاب الدین نے ہی حجاج بن یوسف کو مشورہ دیا تھا کہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بڑے بڑے عالموں کو بھیجا جائے۔ غالباً اسی تجویز کی بنا پر حجاج بن یوسف نے شیخ شہاب الدین فاروقی کو محمد بن قاسم کے ہمراہ بھیجا۔

سندھ پر مسلمانوں کے غلبہ کے بعد شیخ شہاب الدین نے محمد بن قاسم کو لوگوں کی آسودگی اور خوشحالی کے لئے مفید اور کارآمد مشورے دیئے۔ جس سے ایک طرف مسلم فوج کو کچھ فوائد ہوئے تو دوسری طرف سندھ کے عوام کو نئے مذہب میں کشش نظر آنے لگی۔ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد کے پاس) کے راجہ پہ حملہ کرنے سے پہلے ایک سفارتی دستہ روانہ کیا جس کی قیادت شیخ شہاب الدین کر رہے تھے۔ اسی طرح محمد بن قاسم نے حملہ سے پہلے جو سفارتیں دوسرے راجاؤں کو

بھیجیں وہ بھی شیخ شہاب الدین کی سربراہی میں بھیجی گئیں۔ یہ شیخ کی سفارتی صلاحیتوں نے بڑا کام دکھایا۔ اس طرح شیخ کے سندھ والوں سے گہرے تعلقات قائم ہوئے ان کی شہرت عام ہوئی۔

روائت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے سیوستان (سیہون) فتح کیا تو شیخ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تھوڑی سی مدت میں انہوں نے اپنے نظامِ حکومت اور اپنی قابلیت کے باعث حکومت مستحکم کر لی مگر جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ انہیں سیہون میں ہی دفن کیا گیا ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد فاروق سیہون کے حاکم ہوئے اور اس کے بعد اس علاقے کی حکمرانی اسی خاندان کے پاس رہی۔

سندھ پر سلطان محمود غزنوی کے حملے کے بعد یہ خاندان سیہون کی حکمرانی سے سبکدوش ہوا۔ تاہم سلطان نے اس خاندان کی جاگیر مقرر کر دی۔ ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے مخدوم نورالدین تھے جن کے چار فرزند تھے۔ ابوسعید، بدرالدین رکن الدین اور ضیاءالدین۔ ان میں سے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین سیہون سے ہجرت کر کے گاگڑی کے علاقے میں آ گئے یہ دونوں بھائی مخدوم جماڑؒ کے مرید ہوئے جو مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جماڑؒ کا مقبرہ رانی پور سے مشرق کی جانب دو میل کے فاصلے پر ہے۔ "رسالہ بیچل سرمست" کے مؤلف مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ جس وقت مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ سندھ تشریف لائے تو ان دونوں بھائیوں (ابوسعید اور بدرالدین) کی یہ حالت دیکھی کہ جنگلی گھاس کے دانوں (ڈُتھ) پر گذر اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ بہاؤالدینؒ نے ان دونوں کو "ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔

مخدوم جماںؒ کا مزار گڈیجی میں ہے اور ابوسعید کا موسیجی میں جو رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر ہے" سچل جو سرائیکی کلام" کے دیباچے میں مولانا محمد صادق رانی پوری لکھتے ہیں" مخدوم ابوسعید کی اولاد موسیجی سے ہجرت کر کے شہر رانی پور میں آکر آباد ہوئی۔ ان میں قاضی محمد شریف ایک زبردست عالم، محدث، صاحب کشف وکرامات اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی مسجد جو کسی زمانے میں جامع مسجد تھی۔ اس وقت بھی رانی پور کے سرکاری ہسپتال سے شمال کی طرف پچاس گز کے فاصلے پر واقع ہے اس مسجد کے قریب جنوب کی طرف مخدوم محمد شریف اور ان کے رشتہ داروں کے مزار ہیں۔ مسجد کے نزدیک مشرق کی طرف ایک پکا کنواں ہے۔ کنوئیں کے مشرق کی طرف ایک وسیع قلعے کے اندر انہی فاروقی بزرگوں کے مکانات تھے۔ جن میں حضرت پیر صالح شاہ گیلانی کے ملازم رہا کرتے تھے۔

آغا غلام نبی صوفی نے اپنی کتاب" سچل سرمستؒ" میں لکھا ہے کہ" سیہون میں رہ کر آخر اس فاروقی خاندان کا آب ودانہ تبدیل ہوا۔ زمانہ نے اپنی نیرنگیاں دکھانا شروع کردیں۔ اور یہ خاندان سیہون کو خیرباد کہہ کر خدا آباد میں جا کر مقیم ہوا۔ لیکن فلک نے انہیں وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ بعد میں وہ سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے تھر میں جا آباد ہوئے اس منتقلی کا خاص سبب معلوم نہیں تاہم ان دنوں خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی وہاں تشریف لائے اور اپنے خلیفہ مخدوم جماںؒ کے ذریعے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین کو" ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔ گڈیجی کے قصبہ میں اس خاندان کے خواجہ احمد فاروقی گذرے ہیں۔ غالباً کلہوڑوں سے بھی پہلے مغلوں کے عہد میں انہیں گمبٹ اور رانی پور میں جاگیریں دی گئیں۔ روایت ہے کہ فاروقی خاندان نے وہ جاگیریں دو خادموں کو آباد کرنے کے

لئے دے دیں ان کے نام دراز اور کاجن تھے دونوں کا تعلق ونڈیر قبیلے سے تھا دراز ونڈیر کے نام پر درازا کا قصبہ آباد ہوا۔ اسی نسبت سے سچل سرمستؒ درازی کہلائے۔

قاضی علی اکبر درازی اپنی کتاب "دولہا درازی" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ محمد حافظؒ کے فیض روحانی کا شمس کمال عالم آشکار ہوا اور کئی مرید اور عقیدت مند آپ کے فیض سے بہرہ ور ہونے لگے۔ تو گرد و نواح کے شہروں یعنی گمبٹ اور رانی پور کے جیلانی سادات کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور فوراً میاں صاحب ڈنہ کو کہلا بھیجا کہ دو شیر ایک جنگل میں کبھی نہیں رہ سکتے۔ خواجہ محمد حافظ نے جواباً یہ عرض کی کہ "ہم آپ کے جدِ امجد حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات کے مطابق یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور ہمیں آپ کی بزرگی کا بڑا احترام ہے لہٰذا آپ کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔" میاں صاحبؒ ڈنہ کے اس پیغام پر پیر صاحبان نے فرمایا "اچھا آج رات ان تمام باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان بڑے باکمال ولی اللہ تھے اور جب رات ہوئی تو ان دونوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے باطنی حضور میں حاضر ہو کر دیکھا کہ "سبحان اللہ! حضرت پیر دستگیر نے اپنے ایک گھٹنے پر اپنے ایک صاحبزادے کو بٹھا رکھا ہے اور دوسرے گھٹنے پر خواجہ محمد حافظؒ بیٹھے ہیں۔ حضرت پیر دستگیر نے گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا" بیٹا! یہ محمد حافظ ہماری نظرِ فیض کا فرزند ہے اور ہمیں بہت پیارا لگتا ہے۔" پیر صاحبان نے جب حضرت غوث پاک کی بارگاہ میں خواجہ محمد حافظ کا اتنا بڑا مرتبہ دیکھا تو ان سے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور آج تک ان تینوں درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور عقیدت مند دل

کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔" سچل سرمست" کے مصنف حاکی خیر پوری کا خیال ہے کہ خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہ کی درگاہ گمبٹ اور رانی پور کی درگاہوں سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ جیلانی سادات میں سے سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ دونوں مخدوم احمد کھہڑا کے یہاں مقیم رہے تھے اور جیلانی سادات نے انہی کی وساطت سے رانی پور اور گمبٹ میں درگاہیں قائم کی تھیں۔

فاروقی خاندان کے اس پس منظر اور روایات میں خواجہ عبدالوہاب سچل سرمستؒ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء خواجہ محمد حافظؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے گھر درازا میں پیدا ہوئے اس وقت خواجہ محمد حافظؒ کی عمر ۵۱ برس تھی۔ ان کی وفات کے وقت سچل سرمستؒ کی عمر ۲۶ برس تھی۔ جب کہ شاہ لطیف بھٹائیؒ سچل سرمست کی پیدائش کے چودہ برس بعد انتقال کر گئے۔ سچل سرمست کی پیدائش کے وقت مغلوں کی حکومت کو ختم ہوئے چالیس برس ہو چکے تھے اور چالیس برس سے کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ خواجہ عبدالحق سچل کی پیدائش کے وقت ۳۲ برس کے تھے، ۷۰ سال کی عمر میں خواجہ محمد حافظؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سچل سرمستؒ صرف چھ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سچل سرمستؒ نے کلہوڑوں کے دور میں آنکھ کھولی اور پھر تالپوروں کا پورا عہد دیکھا اور زندگی کے آخری ایام میں انگریزوں کو "ہندسندھ" پر حادی ہوتے محسوس کیا۔ سندھ میں ولندیزیوں کی آمدورفت بھی ان کے سامنے رہی کلہوڑوں کے عہد میں سندھ کی سیاسی اکائی اور پھر تالپوروں کے نصف عہد میں سندھ کی وحدت کو دیکھا مگر ان کی زندگی میں ہی سندھ تالپوروں کے تحت تین وحدتوں میں تقسیم ہو گیا ان میں ایک وحدت کے حکمران خیر پور کے تالپور تھے جو درازا کی گدی

کے معتقد تھے۔

روایت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پیدائش کے بعد شاہ لطیف بھٹائیؒ درازا شریف تشریف لائے۔ خواجہ محمد حافظؒ نے خواجہ عبدالحق، سچل سرمست اور خواجہ عبدالحق کے فرزندوں کو شاہ لطیفؒ بھٹائی کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کیا۔ شاہ لطیف نے سچل کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ دیا کہ "ہم نے جو خم چڑھایا ہے اس کا ڈھکنا یہ بچہ اتارے گا۔" سندھی ادبی دنیا اس پیش گوئی کو ایک تاریخی حقیقت سمجھتی ہے ہرچند بعض محققین کا خیال ہے کہ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ بہرحال سچل سرمستؒ وہی کچھ ثابت ہوئے جو شاہ نے کہا تھا۔

روائت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پرورش ایک نیک سیرت دایہ کے سپرد کی گئی جو شیدی (حبشی) قوم سے تھی اور حضرت سچل سرمستؒ اسے پیار میں "کالی اماں" کہا کرتے تھے۔ ایک روز دایہ نے حضرت سچل سرمستؒ کو ہدایت کی کہ بیٹا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہت ضروری ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ نے جواب دیا۔ اماں اس لفظ میں تو اللہ کا نام آخر میں آتا ہے آپ مجھے وہ لفظ سکھایئے جس میں اللہ کا نام سب سے پہلے آتا ہو۔

سچل سرمستؒ کو ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے سب سے پہلے حافظ عبداللہ قریشی صدیقی کے پاس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن مجید ازبر کر کے حافظ اور قاری بن گئے۔ ان کے استاد کی تربت بھی آپ کے مقبرے کے سامنے صحن میں موجود ہے اپنے استاد کی وفات پر خود سچلؒ نے مادۂ تاریخ نکالا اور یہ قطعہ اپنے استاد کی لوح پر لکھوایا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد سچل سرمستؒ کو

خواجہ عبدالحق نے خود فارسی پڑھانا شروع کی۔ علوم عربیہ متداولہ کی تحصیل کے ساتھ علم تصوف و معرفت کی بھی تکمیل کرائی اور حسرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ علاقہ میں عام لوگ اسی کارن انہیں خلیفہ سچل بھی کہتے ہیں۔ خود سچلؒ نے اپنا استاد اور مرشد خواجہ عبدالحقؒ کو ہی کہا ہے اور چاروں زبانوں میں خواجہ عبدالحقؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

سچل سرمستؒ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو کچھ بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اس لئے بچپن سے ان کا نام سچو یا سچل پڑ گیا۔ تن تنہا رہنا عادت تھی۔ جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے، خموشی، صبر اور فکر ان کا فطری سرمایہ تھا۔ ایام جوانی میں باجماعت نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے زیادہ تر وقت درود و وظائف میں مشغول رہتے تھے، اسی اثنا میں خواجہ عبدالحقؒ نے اپنی دختر نیک اختر سچلؒ سے بیاہ دی۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، سچلؒ زیادہ تر درازا میں ہی رہے ایک آدھ بار سکھر، روہڑی، شکارپور، لاڑکانہ اور قرب و جوار کے علاقوں میں گئے۔ روہڑی میں ان کی ملاقات قادر بخش بیدل سے ہوئی جو آپ کے بڑے معتقد تھے۔ سکھر اور شکارپور میں آپ کی ولائت وکرامت اور درویشی اور سخنوری کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور کئی لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آکر شامل ہوئے۔ لاڑکانہ میں عثمان فقیر چاکی کو فیض روحانی سے مستفیض فرمایا اور میاں محمد صالح کو سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرائیں۔

آپ کی جوانی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا جو بیل لئے جا رہا تھا، سچلؒ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اس نے جواب دیا "محبوب" آپ نے پھر پوچھا "کدھر جا رہے ہو"۔ بولا "مستی" (گاؤں کا نام) کی طرف۔ اس پر آپ نے دریافت کیا "کس کے پاس" بولا "محبت کے پاس"۔ یہ سن کر سچلؒ

پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ جھوم جھوم کر کہنے لگے "سبحان اللہ، سبحان اللہ محبوب محبت اور مستی کی طرف جا رہا ہے۔" آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور اس آدمی کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود اس کا بیل پکڑ کر پیدل چل پڑے اور سارا راستہ کہتے گئے "واہ واہ سبحان اللہ، محبوب مستی اور محبت کی طرف جا رہا ہے" آخر آپ درازا پہنچ گئے اور وہاں اپنے نوکر سے کہا کہ اس آدمی اور بیل کو محبت کے پاس پہنچا آؤ۔ اس کے ساتھ آپ نے اپنا گھوڑا بھی اس شخص کو بخش دیا۔

عام روایت ہے کہ میرانِ خیرپور اور درازا کے فاروقی فقیروں کے ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ایک عامل دیوان جو حیدرآباد کے میر صاحبان کے یہاں ملازم تھا کسی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر خیرپور کے والی میر سہراب خان کے یہاں چلا آیا اور ان کا مختارِ کار ہوا۔ چند دنوں کے بعد اس نے سرکاری رقوم میں نادانستہ یا دانستہ طور پر خورد برد کی اور اسی الزام میں گرفتار ہوا۔ اس حیدرآبادی دیوان کے رشتہ دار صوفی فقیر میاں فضل اللہ جھوک شریف والے کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور سفارش کے لئے منت سماجت کی۔ صوفی فقیر نے انہیں ایک خط خواجہ عبدالحق ؒ کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا کہ "ہمارا ایک آدمی تمہارے ظالموں نے قابو کر رکھا ہے اسے فوراً آزاد کرا دو۔" حضرت خواجہ عبدالحق نے خط پڑھ کر اپنی دستار حضرت سچل سرمستؒ کے سر پہ رکھی اور فرمایا کہ "جاؤ اور میران خیرپور سے حیدرآبادی عامل کو آزاد کرا کے لاؤ" سچل سرمستؒ میر سہراب خاں کے دربار میں پہنچ گئے اور وہاں بندوقیں دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہیں؟" سب لوگوں نے جواب دیا کہ یہ بندوقیں ہیں اور ان سے شیروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ حضرت سچلؒ نے فرمایا

کہ شیر کا شکار آسان بات نہیں، حاضر خدمتگاروں نے تکرار سے کام لیتے ہوئے کہا کہ "یہ بندوق صرف چند قدموں پر شیر کی دھجیاں اڑا دیتی ہے۔" اس پر سچل سرمستؒ کی طبیعت میں عجیب طرح کا جوش پیدا ہوا۔ آپ کے چہرے پر جلال کے کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے کہ میر سہراب خاں کے تمام صاحبزادگان اور حاضرین مجلس کو یوں محسوس ہونے لگا گویا سچ مچ شیر آکر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ سب ڈر کے مارے کانپنے لگے اور معافی کی درخواست کی۔ آخر ان صاحبزادگان کی سفارش پر حضرت سچل سرمستؒ کی منشا کے مطابق اس ہندو عامل دیوان کو فوراً قید سے آزاد کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ریاست خیرپور کے تمام میر صاحبان درازا کے فاروقی فقیروں کے بڑے معتقد بن گئے وقتاً فوقتاً زیارت کے لئے آتے اور نذر نیاز پیش کرتے۔

رشید احمد لاشاری نے لکھا ہے کہ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق جب سچل سرمستؒ نے وفات پائی۔ میر علی مراد خان نوعمر تھے۔ میر علی مراد خان کا اپنا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ نے میری آنکھوں پر بوسہ دیا تھا اور مجھے دعا دی تھی۔ اس واقعہ کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ ایک روز ریاست خیرپور کے چھوٹے بڑے میر صاحبان شکار سے واپس لوٹتے اور درازا کے قریب سے گذر رہے تھے حضرت سچل سرمستؒ اس وقت کنوئیں پر اپنے پورے جسم کو ملتانی مٹی لگائے نہانے کے لئے تیار تھے۔ سر پر پانی ڈالنے ہی والے تھے کہ بڑے میر صاحبان حضرت کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے مگر انہیں ملتانی مٹی میں لتھڑا ہوا دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹ گئے، نزدیک نہیں آئے دور کھڑے خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ میر مراد خاں جو سب سے

چھوٹے تھے اور سب سے آخر میں وہاں پہنچے تھے فوراً دوڑ کر سچل سرمستؒ کے قدموں میں گر پڑے سچلؒ بہت خوش ہوئے فوراً اٹھ کر میر علی مراد خاں کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور انہیں دعا دے کر بڑے میر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم ملتانی مٹی دیکھ کر مجھ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ ملتانی مٹی نہ تھی بلکہ جاہ و اقبال کی مہندی کا رنگ تھا جو اس چھوٹے میر صاحب (میر علی مراد خاں) کو لگ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سچل سرمستؒ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ۱۸۴۳ء میں (سچلؒ کی وفات کے صرف سترہ برس بعد) جب انگریزوں نے میرانِ سندھ سے حکومت چھین کر برطانوی پرچم لہرا دیا تو تمام سندھ میں خیرپور ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں میر علی مراد خاں کی ریاست باقی رہ گئی۔

مرزا علی قلی بیگ نے حضرت سچل سرمستؒ کی شادی اور اولاد کے بارے میں ایک روایت درج کی ہے کہ والیٔ ریاست خیرپور میر رستم خاں (واضح رہے کہ رستم خان حضرت سچلؒ کی وفات کے چار برس بعد ۱۸۳۰ء میں میر سہراب خان کا جانشین مقرر ہوا تھا) کا فرزند میر حسن سخت بیمار تھا، میر رستم خان نے حضرت سچل سرمستؒ کو اپنے بیٹے کی دعا کے لئے اپنے پاس بلایا۔ سچل سرمستؒ نے میر محمد حسن کے لئے دعا کی اور وجد و مستی میں آ کر میر رستم خان سے مخاطب ہوئے کہ "ہم اپنا فرزند تمہارے فرزند کے عوض اللہ میاں کے سپرد کرتے ہیں۔" سچل سرمستؒ ابھی خیرپور میں میر رستم خان ہی کے پاس تھے کہ اس کا فرزند میر محمد حسن تندرست ہو گیا۔ جب کہ سچلؒ کا بیٹا جس کا نام نیاز علی یا موجود علی تھا وفات پا گیا ــــــ لیکن اس روایت میں کسی اعتبار سے بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔

رشید احمد لاشاری لکھتے ہیں "کتاب تذکرہ مخادیم کھہڑا (قلمی) میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ محکم دین سیلانی امیر (خانقاہ شریف بہاولپور) درازا شریف کے نزدیک

جنگل میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت سچلؒ سائیں ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے وقت حضرت محکم دین صاحب نے سچلؒ سائیں سے بغلگیر ہوتے ہی ان کے منہ پہ زور سے ایک طمانچہ مارا اور فرمایا بس تمہارے لئے عشق الٰہی کا یہ ایک طمانچہ ہی کافی ہے اس روز سے سچل سرمستؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔" مولانا محمد صادق رانی پوری اور قاضی علی اکبر درازی دونوں اس روایت کی تردید کرتے ہیں کیونکہ انہیں سچلؒ کے کلام یا تحریر سے اس کی تصدیق نہیں ملتی۔

فیض پانے کی روایات اپنی جگہ فیض یاب کرنے کی روایات میں بھی ایک منفرد رنگ ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ کے دربار سے وابستہ فقیر نانک یوسف گذرے ہیں جن کے والد کا نام مولوی محمد ہاشم تھا۔ سبی (بلوچستان) کے رہنے والے تھے۔ مگر وہاں سے شہر جھل مگسی آگئے جہاں انہیں مفتی مقرر کر دیا گیا۔ ان کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مشہور ولی اللہ گوڈڑیا کے مزار پہ آکر دعا مانگی۔ وہاں انہیں بشارت ہوئی کہ بیٹا ہوگا لیکن وہ اپنے زمانے کا منصور ہوگا۔ مولوی ہاشم کے گھر بیٹا ہوا، اس کا نام محمد یوسف رکھا گیا۔

محمد یوسف نے اپنے والدِ بزرگوار سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہو کر دستار بندی کی۔ رسم دستار بندی کے چند دنوں بعد ہی مولوی ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ محمد یوسف کو اُن کی جگہ گدی نشین کیا گیا۔ عالم فاضل تھے، نیک دل تھے۔ اس لئے علم و کمال کی شہرت جلد ہی دور دور تک جا پہنچی۔ عالم فاضل سلامی کے لئے آنے لگے۔ اس کے باوجود محمد یوسف کے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں عالم، فاضل اور زاہد و عابد تو بن گیا لیکن اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ اس بے قراری میں شہر چھوڑ

کر جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں چلہ کشی کی اور بشارت ہوئی کہ فیضِ الٰہی حاصل تو ہوگا مگر اس جگہ سے جہاں صبح و شام نعرۂ منصوری بلند ہوتا رہتا ہے۔

محمد یوسف نے ایک سال میں متواتر تین بار چلّے کاٹے لیکن ہر مرتبہ یہی بشارت ہوئی آخر اس تلاش میں نکل پڑے۔ رانی پور سے ہوتے ہوئے دراز اشریف کے قریب پہنچ گئے۔ تاہم رات کا وقت تھا راستہ بھول گئے اور رات بسر کرنے کے لئے بستی ڈھونڈنے لگے انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا قصبہ یا گاؤں ہے تاہم سماع کی آواز سن کر درگاہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد کے حجرے کے اندر ایک مردِ خدا مراقبے میں ہے اور دوسرے فقرا اس کے اردگرد سماع میں مشغول ہیں۔ محمد یوسف نے اچھی طرح پہچان لیا، کہ منصوری نعرہ بلند کرنے والا مردِ مجاہد یہی شخص ہو سکتا ہے۔" یہ سوچ کر محمد یوسف بھی ان فقیروں کے ساتھ سماع میں شامل ہو گئے لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس مراقبے والے شخص نے فقیروں کو حکم دیا کہ اس نو وارد کو اسی وقت مسجد کے حجرے سے نکال دو۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انہیں مسجد کے حجرے سے باہر نکال دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر مسجد میں داخل ہوئے مگر مراقبے والے نے پھر مسجد سے نکالنے کا حکم دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تاہم جب تیسری مرتبہ محمد یوسف کو مسجد سے باہر پھینکا تو وہ بے ہوش ہو گئے مراقبے والے نے محمد یوسف کو جب بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تو کہا کہ اس کو ڈنڈا ڈولی کر کے شہر سے باہر پھینک دو۔ حسبِ ارشاد محمد یوسف کو سمتی تالاب کے قریب ایک درخت کے ساتھ ٹیک دلا کر پھینک دیا گیا۔ محمد یوسف اس

درخت کے ساتھ اس طرح ٹیک لگائے بیٹھے کہ ان کا منہ درگاہ شریف کی طرف رہا اسی طرح متواتر چند روز تک وہیں بیٹھے رہے اور کسی طرف بھی ہلے جُلے نہیں۔

اس واقعہ کو چند روز گذر گئے تو حضرت سچل سرمستؒ جو دراصل مراقبے والے بزرگ تھے اپنے فقیروں کے ساتھ اس تالاب کے پاس سے گذرے اور اس درویش کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا۔ حضرت سچل سرمستؒ نے فقیروں سے فرمایا کہ جاکر دیکھو زندہ ہے کہ مر گیا ہے۔ فقیروں نے دیکھ کر عرض کیا کہ "قبلہ یہ بے چارہ مر گیا ہے"۔ سچلؒ نے ہنس کر فرمایا "یہ درویش آسانی سے مرنے والا نہیں بلکہ زندہ ہے"۔ فقیروں نے التجا کی کہ قبلہ یہ فقیر آپ کا سچا عاشق ہے اب تو اس پر نگاہ کرم ڈالئے۔ آپ نے فرمایا "اچھا اسے میرے پاس لے آؤ"۔ فقیروں نے فوراً اس کے قریب پہنچ کر آواز دی کہ "چلو تمہیں مرشد نے یاد فرمایا ہے"۔ فقیر یہ آواز سن کر اچھل کر اٹھا اور تندرستوں کی طرح خوشی خوشی پیدل حضرت سچل سرمستؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

حضرت سچل سرمستؒ نے محمد یوسف پر نظر عنایت فرمائی اور اسے اپنے روحانی فرزندوں میں شامل کر کے ریاضت کا حکم دیا۔ پہلے بارہ مہینے تو وہ لنگر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے رہے۔ روایت ہے کہ وہ ابھی لکڑیاں کاٹتے ہی رہتے تھے کہ لنگر ختم ہو جاتا تھا اور انہیں روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی حضرت سچلؒ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان سے لکڑیاں کاٹنے کا کام بند کرا دیا اور پانی بھرنے کا حکم دیا۔ بارہ ماہ تک محمد یوسف درگاہ کے لئے مشکے بھرتے رہے۔ اُس کے بعد مرشد نے کرم فرمایا اور انہیں اپنا خاص خدمتگار مقرر کیا۔

یوسف فقیر سے پہلے یعقوب فقیر بھی حضرت سچل کی خدمت میں رہتے تھے روایت ہے کہ ایک روز سچل اپنی خلوت گاہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے اچانک آواز دی کہ "یعقوب، یعقوب"۔ یعقوب فقیر اس وقت موجود نہ تھے۔ یوسف فقیر نے جواب دیا "یعقوب حاضر نہیں اس کا بیٹا یوسف حاضر ہے"۔ اسی طرح حضرت سچل نے تین بار یعقوب کو آواز دی۔ یوسف فقیر نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر سچل پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب حال سے باہر آئے تو فوراً یوسف فقیر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امانت جب تمہیں حاصل ہونی تھی تو یعقوب کو کیسے دی جا سکتی ہے یوں مرشد کی ایک ہی نگاہ سے یوسف فقیر واصل باللہ ہوئے۔

مرشد سے مستفیض ہونے کے بعد یوسف کچھ عرصہ درازا میں ہی مقیم رہے۔ لیکن بعد میں حکم ہوا کہ رنگپور کی بستی میں بود و باش اختیار کرو۔ یوسف فقیر اسی بستی میں آکر مقیم ہوئے جسے آج کل یوسف فقیر جو گوٹھ یا اگڑا کہا جاتا ہے۔ روایت ہے ایک مرتبہ یوسف فقیر کو حضرت سچل سرمستؒ نے حکم دیا کہ فوراً چلے جاؤ اور امرتسر کی سیر کر کے آؤ۔ مرشد کے ارشاد کے مطابق یوسف فقیر نے حاجی عبداللہ فقیر، ڈھنڈھن فقیر، بلو فقیر اور اللہ داد فقیر کو اپنی رفاقت میں لیا اور سفر پر چل پڑے۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد امرتسر میں سکھوں کے دربار میں پہنچ گئے۔

یوسف فقیر نے امرتسر پہنچ کر خود کو 'گورو نانک' کہلانا شروع کر دیا۔ سکھوں کو ان پر بڑا غصہ آیا۔ سکھوں نے انہیں گھیر لیا اور فیصلہ ہوا کہ یوسف کو گستاخی کی سزا دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ ایک منصوبہ کے مطابق یوسف فقیر سے کہا گیا کہ گورو نانک کا

یہ معمول تھا کہ ہر روز تیل کی ایک کڑاہی آگ پر رکھواتے تھے اور جب تیل کھولنے لگتا تھا تو فوراً اس میں کود کر اشنان کرتے تھے۔ آپ اگر واقعی گورو نانک ہیں تو اپنے اس کارنامے کو دوبارہ کر دکھایئے۔ یوسف فقیر نے سکھوں کی اس تجویز کو فوراً قبول کر لیا۔ فوراً تیل کی کڑاہی چڑھائی گئی اور اس کے نیچے شعلے بھڑکنے لگے۔ جب تیل کھولنے لگا تو یوسف فقیر سے کہا گیا کہ اب خود کو گورونانک ثابت کیجئے۔ یوسف فقیر جوش میں آکر تیل میں کودنے والے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور چند لمحوں کے اندر ابلتا ہوا تیل پانی کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ یوسف فقیر نے اس کڑاہی میں غوطے لگائے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

دھوپڑے میں دھپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گگا چھوڑ کے دوادھو کے لاٰ، تتا، پیا سائیں دھوپڑے میں دھپا

نانک یوسف عشق انوکھا مرشد میرا مکہ

اس پہ میری جان تصدق وہ عاشق کا تپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گانا ختم ہوا تو یوسف فقیر اشنان کر کے باہر نکلے یہ کرامت دیکھ کر سکھ بھی معتقد ہو گئے اب تک آپ صرف یوسف فقیر کہلاتے تھے اب نانک یوسف کے نام سے مشہور ہوئے حضرت سچل سرمستؒ انہیں یوسف کنعانی کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ نانک یوسف فقیر کے مرنے پر ردھڑی کے فقیر قادر بخش بیدل نے قطعے کی صورت میں تاریخ وفات کہی۔

یوسفِ مصر جاں عزیز وجود جانب ملک جاوداں رفتہ

سال وصلش خرد بجست سروش گفت طایر بہ آشیاں رفتہ

۱۲۶۹ھ

حیدر آباد اور سندھ کے میر شیعہ تھے۔ چنانچہ خیر پور کے میروں کے بارے میں حیدر آباد کے میروں کو یہ اعتراض تھا کہ وہ سُنیوں اور وہ بھی فاروقیوں یعنی درازا والوں کے معتقد ہیں۔ قاضی علی اکبر درازی مصنف "دولہا درازی کے دربار کے موتی" میں لکھتے ہیں کہ حیدر آباد کے میر واحد بخش نے اس سلسلے میں خیر پور کے میر علی مراد خاں کو خط لکھا اور طعنہ دیا کہ تم شیعہ ہو کر درازا کے اہلِ سنت فاروقیوں کے معتقد ہو۔ علی مراد خاں نے واحد بخش کو لکھ بھیجا کہ سچل سرمستؒ بڑے کامل اکمل عارف ولی اللہ ہیں انہیں رب رسولؐ کے راز معلوم ہیں جو ان کا منکر ہے وہ مردود ہے۔ میر واحد بخش نے علی مراد خاں کو لکھا کہ ہم یوں نہیں مانتے بہتر ہوگا کہ سچلؒ کا کوئی فقیر ہمارے پاس بحث مباحثہ کے لئے بھیجو۔ یہ خبر سچل سرمستؒ کو بھی معلوم ہو گئی انہوں نے یوسف فقیر کو حیدر آباد میں میر واحد بخش کی کچہری میں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ فقیر یوسف اپنے دوسرے فقیروں کے ساتھ میر واحد بخش کی کچہری میں پہنچ گئے مگر وہاں میر واحد بخش نے ان فقیروں سے سخت بدسلوکی کی جس پر یوسف فقیر نے میر واحد بخش سے کہا کہ "پگ گئی اور ٹوپی آ گئی"۔ یہ اشارہ تھا حیدر آباد کے میروں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں (ٹوپی والوں) کی حکومت کے آنے کا۔

میر پور کے پہلے حکمران میر سہراب خان (۱۷۳۰ء - ۱۸۳۰ء عہد حکومت ۱۷۸۴ - ۱۸۳۰ء) درازا شریف کی درگاہ اور سجادہ نشینوں کے بڑے معتقد تھے انہوں نے خواجہ محمد حافظؒ، خواجہ عبدالحقؒ اور سخی قبول محمد تینوں کا عہد دیکھا تھا تاہم درگاہ پر پہلا مقبرہ میر رستم خان نے ۱۲۲۵ھ (جس وقت سچلؒ کی عمر ۴۷ سال تھی) میں تعمیر کرایا۔ تیسرے حاکم علی مراد خاں نے سچل سرمستؒ کا فارسی دیوان "دیوان آشکارا"

پچھلی صدی کے نصف آخر میں چھپوایا تھا۔

رشید لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھتے ہیں "بعض احباب نے لکھا ہے کہ کھہڑا کے مخدوموں کو سچل سرمستؒ سے عداوت تھی۔ لیکن یہ بات حقائق کے خلاف جاتی ہے اس کے متعلق "تذکرہ مخادیم کھہڑا" کا یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم محمد عاقل اول اور ان کے بھائی مخدوم محمد صاحب کا جاگیروں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تنازعہ ہو گیا۔ مخدوم محمد صاحب میر سہراب خاں کے یہاں پکار پکار کر تھک گئے۔ لیکن کسی قسم کی دادرسی نہ ہوئی۔ آخر وہ سخی قبول محمد اور سچل سرمستؒ کے یہاں قسمیہ یاد لے کر آئے۔ چنانچہ سچل سرمستؒ، مخدوم محمد کا معاملہ لے کر مخدوم محمد عاقل کے پاس گئے تو مخدوم محمد عاقل نے اپنی مہر اٹھا کر سچل سرمستؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہنے لگے آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے سچل سرمستؒ نے فیصلے کے مطابق ملکیت کا مناسب حصہ مخدوم محمد عاقل کے بھائی مخدوم محمد کو دلایا اور دونوں بھائیوں کو گلے ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر بنا دیا۔

سچل سرمستؒ کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر قلمبند کرتے جاتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ "یہ کسی کہنے والے نے کہا ہو گا مجھے کچھ یاد نہیں"۔

مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ سچلؒ کے مریدوں نے ان کا اکثر کلام

کتابی صورت میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر آپ نے ان سب مسوّدوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام کے متعلق یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا لوگ غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے فقیروں اور عقیدتمندوں کے بار بار کے اصرار پر آپ نے اپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ فقیروں کو جو کلام یاد تھا اسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کی روایت کے مطابق آپ کی وفات کے وقت آپ کی تمام کافیوں (۹) کا شمار کیا گیا تو کل نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھیں۔

ایک دفعہ آپ کچھ زیادہ بیمار ہوئے تو سجادہ نشین سخی قبول محمد نے جنہیں سچلؒ کی حسن پرستی اور لے سے دلچسپی کا بخوبی علم تھا۔ میر رستم خاں کو کہلا بھیجا کہ آپ کچھ گانے والیاں بھیجیں۔ جب گانے والیاں درازا پہنچیں تو حضرت سچل سرمستؒ کو بہت خوشی ہوئی آپ اٹھ بیٹھے۔ گانا سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ رو بصحت ہو گئے۔

ایک دوسری دفعہ بیماری کے دوران لاڑکانے کی ایک گانے والی آئی، تو حضرت سچل سرمستؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا "بسم اللہ ہمارا طبیب آیا، ہمارا حکیم آیا۔"

کریم بخش خالد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سچلؒ کے عہد کے مذہبی حالات بھی ناگفتہ بہ تھے۔ کھہڑا کے مخدوم مذہبی لحاظ سے انتہا پسند تھے انہیں اس قدر مذہبی اقتدار حاصل تھا کہ معمولی باتوں پر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا کرتے تھے۔ حکام اور علماء بھی ان کے احکام کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ غیر مسلموں کو زبردستی حلقۂ اسلام

میں لانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقلیتیں حکومت اور مخدومین کے خلاف گڑبڑ اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگیں اور آنے والے دور نے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ جب انگریز سندھ میں وارد ہوئے تو ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں نے میران سندھ کے خلاف ان کا ساتھ دیا تاہم اس دور میں بزرگان دین کی خانقاہیں مظلوم انسانوں کے لئے امن اور سکون کے بہت بڑے مراکز تھیں اس سلسلے میں گمبٹ اور رانی پور کو خصوصیت حاصل تھی۔ یہاں ابراہیم شاہ اور صالح شاہ قادری فیض کے دریا بہا رہے تھے۔ علاوہ ازیں کنڈڑی (ریاست خیرپور) روہڑی، پیر گوٹھ اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی امن کے مسکن قائم تھے۔"

سچل سرمستؒ سندھ میں منصوری روایت کے علمبردار تھے اور اس ضمن میں سندھ کی جو روایات تھیں ان کی پاسداری کو انہوں نے فرض جانا۔ چنانچہ جھوک شریف والے شاہ عنایت کو وہ منصوری راہ کے شہیدوں میں شمار کرتے ہیں۔ سندھی، فارسی اور پنجابی میں شاہ عنایت کو بار بار انہوں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ شاہ عنایت کا تنازعہ اگر ایک طرف تنگ نظر ہم عقیدہ لوگوں سے تھا۔ تو دوسری طرف اس وقت مغلوں اور کلہوڑوں کے ان حاکموں سے جو عارضی اور فوری مقاصد کے حصول کے لئے طاقت اور جبر کو ضروری خیال کرتے تھے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے "تحفۃ الاکرام" اور "مقالات الشعرا" کے حوالے سے شاہ عنایت شہید جھوک شریف والے کے بارے میں واقعہ "تاریخ سندھ" میں اس طرح لکھا ہے۔

صوفی شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن مُلّا یوسف بن مُلّا شہاب الدین بن مُلّا رجب بن مخدوم صدر لنگاہ، اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔ دولت حق شناسی کے لئے ملکوں ملکوں پھرتے رہے یہاں تک کہ دکن میں پہنچ کر

شاہ عبدالمالک کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف کی تمام منازل طے کیں۔ وہ علوم ظاہری حاصل کرنے کے لئے شاہ غلام محمد کی خدمت میں پہنچے تھے جو اس وقت شاہجہاں آباد (جہاں آباد) میں مقیم تھے اگرچہ شاہ عنایت نے علوم ظاہری کی تعلیم شاہ غلام محمد سے حاصل کی لیکن سلوک کی منزلیں شاہ غلام محمد نے شاہ عنایت سے طے کیں وہ ٹھٹھہ ان کے ساتھ آئے۔ شاہ غلام محمد شیخ کی ارادت میں بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جو علماء کے نزدیک ناجائز تھے۔ مثلاً وہ اپنے شیخ کو سجدہ تحیت کرتے تھے۔ علماء نے اس پر انہیں ٹوکا تو شاہ عنایت نے انہیں شاہجہاں آباد چلے جانے کا حکم دیا اور خود پرگنہ بھورہ میں غازیاہ کے کنارے موضع جھوک عرف میراں پور میں اپنے مریدین و معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ عنایت کی عبادت و ریاضت کی شہرت دور دور پہنچی اور اطراف و اکناف کے لوگ عقیدتمندانہ طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

ان کے عقیدتمندانہ ہجوم کو دیکھ کر آس پاس کے دو حلقوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی ان میں سے ایک حلقہ اطراف و جوانب کے زمینداروں کا تھا اور دوسرا آپ کے قریب کے موضع بلڑی کے سادات کا گروہ تھا جن کی پیری مریدی اور عقیدتمندی کا فروغ شاہ عنایت کی وجہ سے کم ہوتا جاتا تھا اور ان کے مریدین معتقدین شاہ عنایت کے حلقے میں شامل ہوتے جاتے تھے جس کی وجہ سے یہ سادات بلڑی شاہ عنایت سے سخت ناراض تھے۔ ٹھٹھے کے قریب بکیرا میں شیخ فاضل شاہ قریشی کی اولاد میں سے شاہ سراج الدین نے پیری مریدی کو دنیاوی جاہ و حشمت سے ملا لیا اور بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام حاصل کر لیا۔ دہلی کے دربار میں رسائی حاصل کرتے

کے بعد انھوں نے شاہ عنایت کے خلاف جنگ شروع کرانے میں پہل کی۔

"تحفۃ الاکرام" میں انفرادی طور پر بھی ان اشخاص کے نام دیئے ہیں جنہوں نے شاہ عنایت کے خلاف مغل ناظم ٹھٹھ کے پاس شکائتیں کیں۔ ان میں بلڑی کے سادات میں سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللہ لعل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم تھے دوسرے نور محمد بن منبہ بن رادہ بن بابو پلیجانی زمیندار پلیجا پور اور تیسرے حمل بن لاکھا بن حمل بن لاکھا جت زمیندار تھا (زمینداروں نے سیدوں کے صلاح مشورہ سے شاہ عنایت سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی) لیکن سادات بلڑی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ جس زمانے میں شاہ عنائت کے خلاف شکایت پیش ہوئی اس زمانے میں ٹھٹھے کا مغل ناظم لطف علی تھا۔ اس نے سادات بلڑی کی جنبہ داری میں بغیر تحقیقات کے حکم دے دیا کہ وہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مریدوں سے خود نبٹ لیں ان لوگوں نے لطف علی کا اشارہ پاکر شاہ عنایت کی خانقاہ پر حملہ کر دیا۔ اس میں خانقاہ کے بہت سے درویش شہید ہوئے ان بے گناہوں کے ورثا نے جب استغاثہ کیا تو حکومت کی جانب سے قاتلوں کی زمینیں مقتولوں کے ورثا کو دلادی گئیں تحفۃ الاکرام کے مطابق پھر کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمال (حکومت دہلی) کے مظالم سے بھاگ کر فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔

۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں لطف علی خاں کی جگہ نواب اعظم خاں ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا۔ تحفۃ الاکرام کے مطابق ایک بار پھر سارے منحوس پڑوسیوں نے ٹھٹھے کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر اور فقیر (شاہ عنایت) کی بغاوت کا خدشہ ظاہر کر کے شاہی دربار سے ان کی بیخ کنی کا حکم جاری کرا لیا اور پھر سندھ کے سارے پرگنوں کی فوجیں جمع کر کے

ان پر چڑھ آئے۔ مولانا قدوسی لکھتے ہیں " وہ (نواب اعظم خان) شاہ عنایت کے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کی امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے شاہ عنایت کی مخالفت میں ان زمینوں کے محصول جو خانقاہ کے متصل تھیں اور جن کے محصول معاف ہو چکے تھے، بحال کر دیئے اور ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شاہ عنایت نے جواب دیا کہ جب یہ محصول بادشاہ (محی الدین فرخ سیر) کی جانب سے معاف ہو چکے ہیں اب ہم سے کیسے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اعظم خاں اس جواب پر برہم ہو گیا اور اس نے مرکز میں لکھ بھیجا کہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مرید سرکاری محصول ادا نہیں کرتے آن سے بغاوت کی بو آ رہی ہے وہاں سے حکم ملا کہ اس فتنے کو روکا جائے۔ اس حکم کے ملنے پر اعظم خان نے اپنی فوج کے علاوہ یار محمد خاں کلہوڑا اور دوسرے رئیسوں کے نام احکام جاری کیئے کہ وہ بھی مدد کے طور پر اس فوج میں شریک ہوں۔ اس فوج نے صوفی عنایت کی خانقاہ پر حملہ بول دیا۔ پہلے تو پورے چار ماہ یہ فوج شاہ صاحب کی خانقاہ کا محاصرہ کیئے پڑی رہی۔ شاہ صاحب کے فقیر راتوں میں اس فوج پر شب خون مارتے تھے۔ اس طرح اعظم خاں کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ تباہی کے قریب جا پہنچے تھے۔

مقالات الشعراء میں ہے کہ ۱۸ ذیقعد ۱۱۲۹ھ/۳۱ راکتوبر ۱۷۱۶ء کو جنگ کا آغاز ہوا۔ درویشوں کا طریقہ یہ تھا کہ رات کے وقت تلواریں لے کر نکلتے اور محاصرہ کرنے والوں پر شب خون مارتے اس طرح اعظم خان کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے صوفی شاہ عنایت نے درویشوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ حملہ کرتے وقت نعرے بالکل نہ لگائیں اور حکم دیا تھا کہ جب تک تم خاموشی سے حملے کرتے رہو گے تمہیں کامیابی ہو

ئی۔ اتفاق سے ایک دن شب خون کے موقع پر ایک درویش کا پاؤں لکڑی سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے بے اختیار اسمِ ذات زور سے نکلا جو ان لوگوں کا عام دستور تھا دوسرے درویشوں نے بھی یہ نعرہ سن کر نعرے لگانے شروع کر دیئے اس طرح مخالفوں کو شب خون مارنے والوں کا پتہ چل گیا اور انہوں نے باقاعدہ تیاری کے ساتھ جنگ شروع کر دی اگرچہ درویش کمزور ہو گئے لیکن باقاعدہ جنگ ختم نہیں ہوئی اور درویش فوج پر حملے کرتے رہے۔

آخر اعظم خاں نے میاں یار محمد خاں کلہوڑا اور میر شہداد بلوچ کی وساطت سے فریب سے شاہ عنایت کو صلح کی پیشکش کی (۹ صفر ۱۱۳۰ھ یکم جنوری ۱۷۱۸ء) کہ درویشوں کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ معاہدہ صلح ہوا جس کے بعد صوفی شاہ عنایت اعظم خاں کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ صلح نامہ ایک دھوکا تھا۔ اعظم خاں نے شاہ صاحب کو گرفتار کر کے پوچھا کہ بتاؤ تم نے شورش کیوں برپا کی تھی۔ شاہ عنایت نے جواب دیا۔

آں روز کہ توسن فلک زیں کردند
آرائش مشتری ز پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا
مارا چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

نواب اعظم خاں کے ایک مصاحب محمد رضا نے اس کے جواب میں کہا۔

دوست بیدار شو عالم خواب است ایں جا
حرفِ بے ہودہ مگو پائے حساب است ایں جا

شاہ عنایت نے فوراً جواب دیا کہ:

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

اعظم خاں نے کہا کہ اب اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

شاہ عنایت نے جواب میں فرمایا کہ محبِ حق کے لئے سزا وہی حیثیت رکھتی ہے جو سونے کے لئے آگ۔

اعظم خاں نے کہا کہ تم نے بدنامی کیوں مول لی اور تیر بلا کا نشانہ کیوں بنے۔

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اعظم خاں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی فرمانبرداری سے باہر قدم کیوں رکھا حالانکہ قرآن میں اول الامر کی اطاعت کا حکم ہے۔

شاہ عنائت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

نواب اعظم خان نے کہا اب آرزوؤں میں ناکام ہونے پر غمگین ہونے سے کیا نتیجہ ؟

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا

من ازاں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

نواب اعظم خاں نے شاہ عنایت کو قید میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ شاہ عنایت نے اس حکم کی بے تکلف تعمیل کی اور یہ شعر ان کی زبان پر تھا

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را

۱۵ صفر ۱۱۳۰ھ ۷ جنوری ۱۷۱۸ء کو شاہ عنایت کو شہید کیا گیا۔ آخری وقت میں یہ شعر شاہ صاحب کی زبان پر تھا۔

رہانیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

تلوار گردن پر پڑی تو چار تکبیریں کہہ کر واصل حق ہوئے۔

نواب اعظم خاں پہلے ہی ملک میں غلہ گراں ہونے کی وجہ سے بدنام تھا شاہ عنایت کی شہادت نے اسے اور ملک میں روسیاہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ ٹھٹھے کی حکومت سے معزول ہوا۔

شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ حضرت سچل سرمستؒ کی پیدائش سے بائیس برس پہلے پیش آیا۔ اگرچہ سچل سرمستؒ کا علاقہ بکھر کے ناظم کے تحت تھا اور یہ واقعہ ٹھٹھہ کی نظامت کا تھا مگر اس واقعہ نے بنیادی طور پر علمی اور فکری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ سچلؒ کے زمانے میں بھی اس کو بے پناہ حیثیت حاصل رہی۔ شاہ عنایت کی شہادت کے واقعہ کو سندھ کی سیاسی، مذہبی اور ادبی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے اور سچلؒ سمیت تمام معروف شاعروں کی ذہنی ساخت اور تخلیقی افتاد میں یہ واقعہ اہم کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔

سچلؒ کی پیدائش سے صرف چھ برس پہلے نظامت بکھر کے موضع کھہڑا میں
دوسرا واقعہ پیش آیا جہاں ایک معروف مذہبی گھرانے کے بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو
ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کے ساتھ میاں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے مسجد میں شہید کر دیا۔
مخدوم رحمٰن حیدرآباد کے قریب پہاڑی کلور والے سیدنا ابراہیم شہید کی اولاد میں سے
تھے۔ مخدوم امیر احمد اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے "تحفۃ الاکرام" کے حواشی کے مطابق
مخدوم رحمٰن ایک جید عالم، صاحب کرامت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مخدوم غلام محمد بگائی
جن کے منظوم معجزے اور میلاد آج بھی عام طرح گا کر روحانی سرور حاصل کیا جاتا ہے یہ
داستان سندھی زبان میں نظم کی ہے اور یہ (مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت کے متعلق نظم)
میاں غلام محمد بگائی کی سندھی کے نام سے سندھ میں مشہور ہے۔

کلہوڑا خاندان کے بزرگ ابتدا میں صوفیا کی حیثیت سے تاریخ سندھ میں
متعارف ہوتے ہیں مگر بعد میں انہوں نے مذہبی اور روحانی رشتے چھوڑ کر حکمرانی کا
راستہ اختیار کیا۔ سچلؒ کے دونوں ممدوح شاہ عنایت اور عبدالرحمٰن کھہڑا کی
شہادت کلہوڑوں کے ہاتھوں ہوئی۔ شاہ عنایت اور جنگ جھوک کے بارے میں
مولانا غلام رسول مہر کی تاریخ سندھ عہد کلہوڑا میں میاں یار محمد کلہوڑا کا اپنا بیان ہے۔

"میں اور نواب اعظم خاں دریائے اد تھل سے گذر کر جھوک پہنچے چونکہ قلعہ کے
گرد گہری خندق کھود رکھی تھی اس لئے لشکر کو جھوک کے نصف کوس پر ٹھہرایا گیا تھا۔ ۷ ذلیقعد
کو سواروں اور پیادوں کے ساتھ خندق کے ارد گرد کے علاقے کا چکر لگایا اور شاہ عنایت
کے مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔

اگلے دن اتوار کو جب صبح ہونے میں تقریباً ایک پہر باقی تھا۔ شاہ عنایت

کی فوج کے ایک ہزار ستر پیادے شب خون کی غرض سے آئے۔ ہمارے لشکر کے بھی چند آدمی مارے گئے لیکن بہادروں نے مفسدوں کو تلوار پر رکھ لیا۔ بہت تھوڑے سے لوگ جان سلامت بچا سکے۔ باقی سب تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

مقتولین میں اکثر بھنوار جو قاسم ولد کھرام اور سید کے ساتھ تھے، وکیل ٹھٹھہ اور احمد لوبکانی اور اس کے دونوں بھائی اور راوڈھیجہ قبیلے کے لوگ اور دوسرے زمیندار جو اپنے آپ کو اس کے زمرۂ فدایان میں شامل کئے ہوئے تھے۔

مولانا مہر نے گلدستۂ نورس بہار کے اسی خط سے ایک اور اقتباس دیا ہے جو اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ جلد دوم میں شامل ہے۔

" داؤد خاں عباسی سخت بیمار ہے امید ہے کہ خدا کی رحمت سے شفا پائے انہوں نے تلوار کے پانچ چھ زخم چہرے پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر کھائے۔ اس جنگ میں میاں داؤد کے علاوہ ان کے بھائی میاں غلام حسین نے نیز خدا یار خاں کے بھائی میر محمد خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور سب نے کم و بیش زخم کھائے خط کے آخر میں ہے کہ " ابھی جنگ باقی ہے انشاء اللہ مفسد کو عنقریب اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔"

سچل کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے اور ان کی زندگی کے دوران تاریخ سندھ کے اہم واقعات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ سچل کی منصور حلاج سے لے کر سرمد شہید تک اور شاہ عنایت اور بلھے شاہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ فرید الدین عطار، مولانا روم اور مولانا جامی سے وابستگی کے اسباب کی جڑیں یہیں کہیں ہیں۔ کلہوڑوں کے پہلے باقاعدہ حکمران میاں یار محمد کے اٹھارہ سالہ دور حکومت میں جھوک شریف کی

جنگ ہے۔ باقی عرصہ اس نے عیش و آرام میں گذارا۔ جھوک کی جنگ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں ہوئی۔ اس کے بعد میاں نور محمد کلہوڑا ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء میں مسند نشین ہوا۔ اسے اپنے بھائی داؤد خاں کی طرف سے خطرہ تھا مگر اسے اس نے معرکہ آرائی سے پہلے رام کر لیا اس زمانے میں دہلی میں محمد شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ میاں نور محمد نے فرمانبرداری کی عرضداشت بھیجی۔

میاں نور محمد کی پہلی جنگ شکارپور کے داؤد پوتروں سے ہوئی۔ جنہیں میاں نور محمد نے سندھ سے نکال دیا اور وہ پنجاب کے علاقوں ملتان، بہاولپور، پاکپتن وغیرہ میں جا بسے سابق ریاست بہاولپور کا قیام بھی انہی داؤد پوتروں کا مرہونِ منت تھا پھر قلات کے بروہیوں سے جھگڑا شروع ہوا۔ جنڈھیر کی جنگ میں بروہیوں کو شکست ہوئی۔ نور محمد کے دونوں بیٹوں کی شادی عبداللہ خان بروہی کی بیٹیوں سے ہوئی۔

جس سال درازا میں سچل سرمستؒ پیدا ہوئے اسی سال ۱۷۳۹ء نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ دہلی میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے بعد جب وہ کابل واپس پہنچا تو اس نے میاں نور محمد کے نام کابل سے حکم بھیجا کہ وہ کابل میں حاضر ہو۔ مگر میاں نور محمد خود کو دہلی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ اس نے اس فرمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی نادر شاہ کو جب اندازہ ہوا کہ نور محمد نے اس کے حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ سندھ پر حملے کے لئے بجلی کی طرح کڑکا اور طوفان کی طرح روانہ ہوا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے کشتیوں کے ذریعے فوج ڈیرہ غازیخان پہنچائی۔ وہاں میاں نور محمد کو طلب کیا لیکن میاں نور محمد نے جواب نہیں دیا۔ نادر شاہ نے لاڑکانہ روانہ ہونے سے پہلے لاہور کے گورنر ذکریا خان کو خط لکھا کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ اس مرتبہ ہم موسم سرما سندھ میں گذاریں اور وہاں سے

شرپسندوں کو تنبیہہ کریں۔ ہمارا لشکر ان کا تعاقب کرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کرے گا لیکن اسے سلطانی علاقے (محمد شاہ کے علاقے) میں مداخلت نہ سمجھا جائے۔ تم تیار اور مستعد رہو اور ضرورت پڑنے پر لاہور سے ملتان پہنچ جاؤ اور وہاں ٹھہر کر مفروروں کے راستے روکنے کا انتظار کرو۔ ذکریا خاں نے یہ فرمان دہلی بھیجا وہاں سے حکم آیا کہ نادر شاہ کے فرمان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔

نادر شاہ کے حملے کا سنا تو میاں نور محمد اپنا دارالحکومت خدا آباد چھوڑ کر سارا سازوسامان لے کر عمر کوٹ روانہ ہوگیا تاکہ نادر شاہ کی نظر نہ پہنچ سکے۔ نادشاہ فروری ۱۷۴۰ئ کو لاڑکانہ پہنچا۔ میاں نور محمد کے فرار کی اسے اطلاع مل گئی۔ نادر شاہ سواروں کا دستہ لے کر نور محمد کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ شہداد پور پہنچا تو نور محمد کی طرف سے اسے تحائف ملے مگر نادر شاہ مطمئن نہ ہوا اور عمر کوٹ پہنچ گیا جہاں میاں نور محمد نے سوا کروڑ روپیہ نادر شاہ کو دیا۔ نادر شاہ نے نور محمد کی حکومت بحال کر دی۔ نادری حملے سے سندھ کو سخت نقصان پہنچا۔ نادر ملک کی ساری دولت ہی نہیں لے گیا بلکہ اس نے سندھ کے کتب خانے بھی لوٹ لئے اور سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سبی اور کچھی والئ قلات کو دیے۔ شکارپور صادق محمد خاں داؤد پوترہ کو اور باقی سندھ میاں نور محمد کو۔

نادر شاہ نور محمد کے دو بیٹے مراد یاب خان اور میاں غلام شاہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ بعد میں تیسرا بیٹا عطر خاں بھی وہاں چلا گیا۔ یہ سب نادر شاہ کے قتل تک وہیں رہے۔

نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا۔ سچلؒ کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ نادری حملے نے سندھ پر جو اثرات چھوڑے تھے۔ ان کا اندازہ قاضی عبدالقادر ٹھٹھوی کے

حسبِ ذیل قطعہ تاریخ سے ہوتا ہے۔

فتنہ نادر چوں بردں شد زمیاں
راحت آمد بہمہ عالمیاں
خوش خبر ہاتف فرمود زغیب
"محو شد آفتِ نادر ز جہاں"

۱۱۶۰ھ

پنجاب میں نادر شاہی حملے کے بارے میں پنجابی کے متعدد شاعروں کے ہاں حوالے موجود ہیں اور نجابت نے تو ایک پورا جنگ نامہ تحریر کر دیا ہے۔ سچل ؒ کے ہاں نادر کا لفظ ظالم کے مفہوم میں بارہا آیا ہے۔

نادر شاہی ظلم و ستم کا دور ختم ہوا تو احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہو گئے پہلا حملہ ۱۷۴۹ء میں پنجاب پر ہوا۔ میاں نور محمد سے خراج تو مل رہا تھا، مگر کسی بات پر ناراض ہوا۔ اور ۱۷۵۳ء میں جب سچل سرمستؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ آ گیا۔ میاں نور محمد کے سفیر دیوان گدومل نے احمد شاہ ابدالی کو رام کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی جنگ لڑی اور ۱۷۶۳ء میں پھر سرہند تک گیا۔ بہرحال سندھ اب دہلی کی بجائے کابل کے تابع رہا اور کلہوڑے کابل والوں کی بالادستی مانتے رہے۔

احمد شاہ ابدالی کی سندھ پر یلغار کے وقت میاں نور محمد نے وہی طریق اختیار کیا جو نادر شاہ کے حملہ کے وقت کیا تھا یعنی دارالحکومت سے نکل کر جیسلمیر کی مشرقی جانب چلا گیا۔ جہاں ۹ دسمبر ۱۷۵۳ء کو وفات پائی۔ بہرحال میاں نور محمد کے عہد میں کلہوڑا کے

مخدوم عبدالرحمٰن کو میاں کی فوج نے شہید کیا۔

میاں نور محمد کا جانشین اس کا بڑا لڑکا محمد مرادیاب خاں ہوا مگر قید ہوا، قید میں مرا۔ اس کے دو بیٹے اس کے بھائی غلام شاہ کے عہد میں قتل ہوئے۔ مرادیاب خاں کے بھائی محمد عطر خاں نے احمد شاہ ابدالی سے سندھ کی حکومت کی سند حاصل کر لی۔ اس کے دوسرے بھائی احمد یار خاں نے غلام شاہ کے خلاف عطر خاں کی حمایت میں لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ غلام شاہ مجبوراً جیسلمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عطر خاں کے مظالم، غفلت اور بدمزاجی کی وجہ سے رعایا چیخ اٹھی۔ لوگوں نے میاں غلام شاہ کو واپس بلایا۔ جسے اب بہاولپور کے نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ دونوں فریقوں کی فوجوں میں روہڑی کے باہر نہر امرکس کے کنارے خونریز جنگ ہوئی۔ عطر خاں اور احمد یار خاں ہار گئے۔ غلام شاہ جیت گیا مگر عطر خاں نے افغانوں کی مدد سے پھر غلام شاہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر ش سندھ تینوں بھائیوں میں تقسیم ہو گیا۔ ٹھٹھہ وغیرہ غلام شاہ کے حصے میں آیا مگر پھر جھگڑا ہوا۔ آخر احمد یار اور عطر خاں ملک چھوڑ کر چلے گئے اور غلام شاہ کا پورے سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر افغان دربار سے اسے سندِ حکومت نہیں ملی تھی، او باڑو میں اس کی بہادر خاں سے پھر جنگ ہوئی۔ جو عطر خاں کی مدد کر رہا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں میاں غلام شاہ کو کابل کے دربار سے حکومت کی سند مل گئی۔

سن ۱۷۶۰ء میں کچھ کے راجہ لاکھا کے بیٹا سے جارہ پہاڑ پر میاں غلام شاہ کی جنگ ہوئی۔ جس میں سردار میر بہرام تالپور نمایاں ہوا۔ جنگ میں راؤ کچھ کو شکست ہوئی۔ صلح کی شرط کے مطابق راؤ کی بہن کی شادی غلام شاہ سے ہونا تھی۔ مگر راؤ بعد میں منحرف ہو گیا۔ غلام شاہ نے ۱۷۶۲ء میں پھر حملہ کیا۔ راؤ ہار گیا اور اپنی چچازاد کو

شادی غلام شاہ سے کردی۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے میاں غلام شاہ کے حسنِ انتظام سے خوش ہو کر ڈیرہ غازیخان اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کا انتظام بھی میاں کے سپرد کر دیا بعد میں ملتان کی حکومت بھی میاں غلام شاہ کے نام کی گئی۔

میاں غلام شاہ کے عہد میں انگریزوں نے سندھ میں قدم جمانے شروع کر دیئے یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز ۱۶۱۳ء میں دیبل کی بندرگاہ میں آیا تھا۔ ۱۶۳۵ء میں ٹھٹھہ میں انہوں نے پہلی کوٹھی قائم کی۔ تاکہ قلمی شورہ خرید کر یورپ بھیجا جائے۔ ۱۶۹۲ء میں یہ کوٹھی بند کر دی اس کے پچانوے برس بعد پھر انگریزوں نے سندھ میں از سرِ نو تجارت کی ضرورت محسوس کی اور ۱۷۵۸ء میں میاں غلام شاہ کی اجازت سے کوٹھی قائم کی۔ مقصد قلمی شورے کی تجارت تھا۔ ۱۷۶۱ء کو انگریزوں کو قلمی شورے کی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ میاں غلام شاہ نے انگریزوں کو تجارت میں بڑی مراعات دی تھیں۔ مگر انگریزوں نے خود غرضیوں سے کام لینا نہ چھوڑا۔ میاں نے جب کچھ کے حملے کے موقع پر امداد کے طور پر اسلحہ کا ایک جہاز مانگا تو انگریزوں نے صاف انکار کر دیا کہ کچھ کے راؤ سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہیں۔ اس لئے ہم جہاز نہیں دے سکتے۔ میاں غلام شاہ کا ایک آدمی علی نواز خاں بہت سا سامان لے کر سورت فرار ہو گیا۔ میاں نے اس کی گرفتاری کے لئے انگریزوں سے مدد چاہی لیکن انگریزوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ ایک بار انگریزوں سے کہا کہ دس ہزار گولے مناسب نرخ پر بنوا دیں۔ مگر انگریزوں نے ٹال دیا۔ میاں غلام شاہ کے دربار سے وابستہ گلاب رائے ایسے لوگ انگریزوں کے اس وطیرے کے باعث ان کے خلاف تھے مگر میاں غلام شاہ نے انگریزی کوٹھی کو بند نہیں کیا۔

میاں غلام شاہ کا ۱۷۷۲ء میں انتقال ہوا۔ جب کہ سچل سرمستؒ کی عمر اس وقت اکتیس برس تھی۔ اب غلام شاہ کا لڑکا میاں سرفراز خاں تخت نشین ہوا۔ اس نے جنگ جارہ کے ایک ہیرو میر بہرام خاں تالپور کو دھوکے سے بلوا کر قتل کرا دیا۔ عوام میں میاں سرفراز خاں کے خلاف نفرت اور حقارت بڑھ گئی۔ ادھر میر بہرام خاں کے عزیزوں اور بلوچوں نے انتقام لینے کا ارادہ کرلیا، میر فتح خاں نے جو میر بہرام خان کا چچازاد تھا۔ خدا آباد پر حملہ بول دیا، سرفراز بھاگ نکلا اور حیدر آباد کے قلعہ میں جا چھپا۔ میر فتح خاں یہاں بھی پہنچ گیا۔ سرفراز قید ہوا اور کنجیاں فتح خاں کو دینی چاہیں۔ مگر اس نے کہا کہ ہمارا سردار میر بجار خاں مکہ سے واپس آئے گا تو جو چاہے گا کرے گا۔ سرفراز کو بعد میں آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے قتل کرا دیا۔

میاں سرفراز کے بعد اس کے چچا غلام نبی کو حکمرانی کے لئے چنا گیا۔ میر بجار حج سے واپس بجہاز کراچی آیا اور قلات کے حاکم محمد نصیر خاں کے پاس گیا۔ نصیر خان نے اسے کلہوڑوں سے انتقام لینے کے لئے کہا اور فوج کی مدد کی پیش کش کی، مگر میر بجار نے کہا کہ وہ اپنے ملک میں خانہ جنگی نہیں چاہتا اور یکہ و تنہا وہاں جائے گا میر بجار سندھ پہنچا تو سبھی عزیز و اقارب اس کے باپ میر بہرام خاں کی تعزیت کے لئے آئے اور کلہوڑوں کے مظالم کی تفصیل بیان کر کے حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر میر بجار خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ تاہم غلام نبی نے اسے ایک خط میں لکھا کہ وہ سندھ میں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس پر میر بجار خاں نے عمر کوٹ کا قلعہ کھوسہ قبیلے سے لے لیا۔

تعلقہ شہداد پور کے علاقہ لانیاری میں میاں غلام نبی اور میر بجار خاں کے

درمیان جنگ ہوئی۔ میاں غلام نبی نے میر بجار خاں سے صلح کے لئے قرآن کریم دے کر ایک شخص کو بھیجا مگر خود اس کے وزیر تاجہ لیکھی کو اس کا علم ہو گیا اور اپنی تلوار سے میاں غلام نبی کو قتل کر دیا تاجہ لیکھی خود بھاگ گیا۔ میر بجار نے غلام نبی کی نعش احترام کے ساتھ حیدر آباد بھجوادی۔

اس وقت حیدر آباد میں میاں نور محمد کا چھوٹا بھائی عبدالنبی تھا۔ سرفراز خاں اس کا بیٹا محمد خاں، بھائی محمود خان اور چچا عطر خاں قلعے میں بند تھے۔ چنانچہ اس خیال سے ان قیدیوں کے ہوتے ہوئے اس کا حکمران رہنا مشکل ہے۔ اس نے سب کو قتل کروادیا۔ گویا کلہوڑہ خاندان کے پانچ افراد کو بیک وقت حیدر آباد میں دفن کیا گیا یوں عبدالنبی حاکم ہوا۔ میر بجار سرفراز کو حکمران دیکھنا چاہتا تھا مگر مجبوراً اسے عبدالنبی کو مخدوم نوح ہالائی کے مزار پر دستار باندھنا پڑی اور ملک کا انتظام میر بجار خان نے خود سنبھال لیا۔

اس اثنا میں احمد یار خاں کا بیٹا عزت یار خاں افغان لشکر کی مدد سے سندھ پر حملہ آور ہوا۔ لکھی اور شکارپور کے درمیان میر بجار کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ افغان لشکر بھاگ گیا۔ عزت یار خاں شکارپور کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ادھر افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ نے برہم ہو کر سندھ پر حملہ کر دیا۔ میر بجار عبدالنبی کے ساتھ دھرکی پہنچا اور تیمور شاہ کو صفائی پیش کی اور تیمور شاہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ میر بجار نے سندھ میں نظم و نسق کو بہتر بنایا لوگوں کو امن نصیب ہوا۔ مگر اسی اثنا میں راجا جودھپور کے دو دکیلوں نے سفارتی نمائندوں کے روپ میں آکر میر بجار خان کو قتل کر دیا۔ افواہ یہ تھی کہ عبدالنبی نے یا اس کی ماں نے میر بجار خاں کو قتل کرایا ہے۔ چنانچہ میر بجار خاں کے

بیٹے میر عبداللہ خاں کی دستار بندی کے فوراً بعد میاں عبدالنبی کے دل کا چور جاگا اور اس خیال سے کہ میر عبداللہ خاں اس سے انتقام لے گا وہ سندھ چھوڑ کر قلات روانہ ہو گیا۔

میر عبداللہ نے عبدالنبی کو پیغام بھیجا کہ وہ واپس آجائے کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں کوئی ایسا نہیں چھوڑا جسے حاکم بنایا جائے مگر عبدالنبی نہیں آیا چنانچہ میر عبداللہ نے اسی خاندان کے ایک فرد صادق علی خاں کو تخت پر بیٹھنے پر راضی کر لیا۔ صادق علی خان کا شعار فقر و قناعت تھا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ مغرب سے عبدالنبی والئ قلات میر نصیر خان کی مدد سے حملہ آور ہو رہا ہے اور مشرق سے جودھپور کا راجہ بجے سنگھ ــــ میر عبداللہ نے میر فتح علی خاں، فتح خان، میر سہراب خان (بعد میں خیر پور کا حاکم) اور سلطان جنگ سے مشورہ کیا اور سب سے پہلے جودھپوریوں کے مقابلے کا فیصلہ ہوا۔ جودھپور والوں سے مقابلہ ہوا تو وہ پہلے روز ہی سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوسری طرف سے میاں عبدالنبی اور والئ قلات میر نصیر خاں کی فوج حملہ آور ہوئی۔ میر عبداللہ اور صادق علی خاں نے اسے پل چاہلک کے قریب عبرتناک شکست دی عبدالنبی کابل میں تیمور شاہ کے پاس پہنچا، جس کا ایک سردار مدد خان پٹھان پہلے ہی سندھ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالنبی اس کے پاس پہنچا۔ مدد خان پٹھان کے بارے میں مولانا اعجازالحق قدوسی "تاریخ سندھ" میں لکھتے ہیں: "مدد خان کیا تھا سندھ کے لئے ایک عذاب تھا جو اس کی ہی صورت میں نازل ہوا وہ جس طرف سے بھی گذرا، آبادیوں کو تہ تیغ اور ویران کرتا ہوا چلا گیا۔ لوٹ مار میں اس کے لشکر کا یہ حال تھا کہ وہ لوٹا ہوا بوریا بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اس ظالم نے پورے سندھ کو خاک سیاہ کر کے برابر کر دیا اس کے فوجی بے حق لوگوں کو مارتے تھے۔ جدھر سے بھی اس کی فوج گذری۔ آبادیاں ویرانوں

میں تبدیل ہوتی چلی گئیں۔"

اہلِ سندھ کی پکار پر میر عبداللہ نے فتح خاں، میر فتح علی اور میر سہراب خان سے مشورہ کیا کہ اب مدد خاں سے جنگ کرنی چاہیئے۔ فتح خان نے انکار کیا تاہم دوسرے جنگ کے لئے تیار ہوئے اور روانہ ہو پڑے، میر فتح خان کو بعد میں احساس ہوا، اور وہ بھی ان سے مل گیا مگر کہا کہ میر عبداللہ جنگ میں پہل نہیں کرے گا، جب فریقوں کی فوجیں قریب پہنچیں تو مدد خاں کا خط میر عبداللہ کو ملا کہ ہم صرف عبدالنبی سے اس کا خزانہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ تیمور شاہ کے حکم کے مطابق عبدالنبی سے خزانہ نکلوا کر چلے جائیں گے ہم آپ سے نہیں لڑنا چاہتے، فتح خاں نے کہا ٹھیک ہے، میر عبداللہ نے مدد خاں پٹھان کو لکھا کہ آپ دریا کے راستے خدا باد چلے جائیں اور میں عمر کوٹ جا رہا ہوں۔

مدد خاں پٹھان نے خدا باد پہنچ کر عبدالنبی سے کہا کہ وہ حسبِ وعدہ خزانہ دے عبدالنبی نے اپنے آدمی چاروں طرف دوڑا دیے کہ رعایا میں سے جن لوگوں کے پاس جَو کے برابر سونا چاندی ہو وہ بھی لوٹ مار کر کے لے آئیں۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کے لئے دو دو سو آدمیوں کی گردن ماری گئی دوسری طرف مدد خاں کی فوجوں نے سندھ کو اس قدر مفلس اور قلاکش کر دیا کہ کسی کے بدن پر کپڑا چھوڑا نہ کسی کے سر پر پگڑی رہنے دی۔

میر عبداللہ ان مظالم کی رُوداد سُن کر پھر عمر کوٹ سے آیا اور مدد خان سے کہا کہ وہ حسبِ وعدہ چلا جائے، یہاں پھر فتح خاں، فتح علی خاں، میر سہراب خان اور میر عبداللہ کا اختلاف ہوا۔ فتح خاں کو اپنی صلح پسندی کی وجہ سے مدد خان پٹھان نے تکلیف اٹھانا پڑی، میر عبداللہ خان لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

اس اثنا میں مدد خاں خدا باد سے رودھڑی پہنچ چکا تھا۔ جب فتح خاں اس کی قید سے فرار ہوگیا تو اسے یقین ہوگیا کہ اب میر عبداللہ اور یہ سب مل کر اس سے جنگ کریں گے میر عبداللہ نے اسے چیلنج بھیج دیا جس پر مدد خاں پٹھان اسی روز دریا کو عبور کر کے افغانستان چلا گیا۔ اور میاں عبدالنبی کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

میاں عبدالنبی کی روباہ بازیاں نہ گئیں۔ نواب بہاولپور کے ذریعے میر عبداللہ سے صلح کی اور دونوں خدا باد میں رہنے لگے ایک روز میاں عبدالنبی نے میر عبداللہ اور میر فتح خاں کو جو اس کے دربار میں تھے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ ایک صبح جب یہ دونوں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو میاں عبدالنبی کے حکم سے ان کے سر گردنوں سے الگ کر دیئے گئے قرآن ان کے خون سے گلنار ہو گئے۔

اب بلوچ سرداروں میر فتح علی خان، میر سہراب خان، میر ٹھارو خان اور میر غلام علی اللہ یار خاں نے اپنے ان عزیزوں کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کیں۔ ہالائی میں جنگ ہوئی اور میاں عبدالنبی کو شکست ہوئی (۱۱۹۶ھ) وہ بھاگ کر والئی قلات کے پاس پہنچا اور پھر بروہیوں کی امداد سے دریائے سندھ کے کنارے تک آیا، ادھر جودھپور کی فوج سے بھی کہا گیا کہ وہ میروں پر حملہ آور ہو، مگر ان کی شرط تھی کہ عبدالنبی جب دریا عبور کر لے گا تو وہ پھر پیش قدمی کرے گی۔ مگر بروہی میاں عبدالنبی سے ناراض ہو کر اور سندھ کے مغربی کنارے لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ میاں عبدالنبی پھر خوار ہوا۔ اسی اثنا میں میر فتح علی خاں نے حیدرآباد کو فتح کر لیا مگر اسے افغان دربار سے حکمرانی کی سند نہیں ملی تھی۔ میاں عبدالنبی پھر افغان بادشاہ تیمور شاہ کے پاس پہنچا۔ تیمور شاہ نے سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کی حکمرانی عبدالنبی

کو اور دوسرے کی میر فتح علی خاں کو دے دی اور میاں عبدالنبی کو افغان فوج کے ہمراہ بھیج دیا۔ مگر میر فتح علی خاں فوج کی بھاری تعداد کے ساتھ جب روہڑی کی طرف روانہ ہوا تو افغان فوج ڈیرہ جات سے ہی واپس چلی گئی۔ میر فتح علی خاں کو دربار کابل سے پورے سندھ کی حکومت تفویض ہوئی۔ (۱۱۹۹ھ)

کچھ عرصہ تالپور میر یکسوئی سے حکومت کرتے رہے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا میر رستم خاں چپکے سے فتح آباد سے نکلا اور روہڑی پہنچ کر خیرپور ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ میر ٹھارو خان شاہ بندر میں ریاست بنا بیٹھا۔ افغان دربار نے اس تقسیم کو مان لیا اور تینوں میروں کی طرف سے خراج کی رقم علیحدہ علیحدہ قبول کی جاتی۔ میاں عبدالنبی نے میروں کے اختلاف کے باعث موقع غنیمت جانا اور پھر تیمور شاہ سے فوج کی امداد حاصل کر کے اسی بنا پر حملہ آور ہوا اور خیرپور کے میر سہراب خان نے اسے میر فتح علی خاں کے مقابلے میں حمائت کا یقین دلایا ہے' ۱۲۰۲ھ بمطابق ۱۷۸۸ء جب سچل سرمست کی عمر تقریباً پچاس برس تھی' افغان لشکر ملتان کو زیر کرتا بہاولپور پہنچا جہاں امیر محمد بہاول قلعہ میں گوشہ گیر ہو گیا۔ دو ماہ تک افغان لشکر احمد خاں نورزئی اور دوستان خان کی سربراہی میں رعایا کو لوٹتا رہا اور رعایا بے پناہ مفلس ہو گئی۔ افغان لشکر خیرپور کے قریب پہنچا تو انہوں نے میر سہراب خان کو اپنی مدد کے لئے کہا۔ میر سہراب خان نے میر فتح علی خان کو قرآن مجید پر عہد لکھ دیا کہ میں حملہ آوروں سے جنگ کے لئے تیار ہوں آپ کے لئے چشم براہ ہوں۔ ادھر افغان لشکر روہڑی سے ہالہ کنڈی تک پہنچ گیا۔ میر فتح علی کو تیمور شاہ کا پیغام دیا گیا کہ وہ سندھ کی حکومت چھوڑ کر چلا جائے۔ میر فتح علی خان نے اہل و عیال کو کچھ اور جیسلمیر بھیجا اور خود مقابلے کے لئے

نکل پڑا۔ مگر میر سہراب خاں قرآن پر لکھے عہد سے پھر گیا اور قلعہ شاہ گڑھ میں جا بیٹھا۔ میر فتح علی خاں صرف دس ہزار فوج کی مدد سے چالیس ہزار افغانوں سے ٹکرایا اور افغان شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

تیمور شاہ اس شکست کے بعد جوشِ انتقام میں خود مدد خان پٹھان کے ساتھ والئ قلات میر نصیر خان کے لشکر کی مدد سے بہاولپور کے داؤد پوتروں اور سندھ کے میروں سے انتقام لینے کے لئے آیا۔ تیمور شاہ نے پہلے بہاولنگر پر قبضہ کیا اور پھر بہاولپور میں تباہی پھیلائی۔ بہرحال میر فتح علی خاں کے سفیروں نے صلح صفائی کا راستہ نکال لیا۔ تیمور شاہ یہیں سے واپس ہو گیا۔ میاں عبدالنبی اکیلا رہ گیا وہ بہاولپور میں قلعہ ڈیراؤڑ میں امیر بہاولپور کا مہمان ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ زمان شاہ سے عبدالنبی کی نہ بنی۔ عبدالنبی نے ۱۸۰۵ء میں راجن پور میں انتقال کیا۔ یوں سندھ میں کلہوڑوں کا عہدِ حکومت ختم ہوا۔

اب حیدرآباد پر میر فتح علی خاں، میر غلام علی خاں، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان چار بھائیوں کی حکومت "چاریاری" کے نام سے قائم ہوئی۔ ان کے والد کا چچیرا بھائی میر سہراب خاں ریاست خیرپور کا حاکم ہوا اور میر فتح خاں کا بیٹا میر ٹھارو خاں میرپور خاص کا حاکم ہوا۔ ان تینوں میں مرکزی حیثیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور تینوں میں گہرا اتحاد تھا۔ اس عہد میں سبزل کوٹ کا علاقہ نواب بہاولپور سے کراچی کا والئ قلات سے، شکارپور افغان حاکموں سے، لکھپت اور بست راجہ بھوج سے اور عمرکوٹ اور ریگستان مہاراجہ جودھپور سے واپس لیا۔

۱۸۰۳ء میں میر غلام علی خاں اور میر تھارو خان کے درمیان جنگ ہوئی، ۱۸۰۳ء میں حیدرآباد کے میروں اور انگریزوں کے درمیان "ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی فوجی مدد" کرنے کا معاہدہ ہوا جب کہ افغانستان کے حاکم زمان شاہ نے میران حیدرآباد کو انگریزوں سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے کہا تھا۔ بقول اعجازالحق قدوسی "یہ معاہدہ پہلا بنیادی طوق تھا جو سندھ میں انگریزوں کی غلامی کا پڑا۔" نومبر ۱۸۲۰ء میں انگریزوں اور میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے درمیان طے پایا۔

ادھر کابل میں شجاع الملک ۷-۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور میرانِ سندھ سے خراج حاصل کرنے شکارپور آیا۔ میروں نے خاصا خراج دیا واپس چلا گیا۔ پھر خراج نہ ملنے پر ۱۱-۱۸۱۰ء میں شکارپور تک آیا، میرانِ سندھ نے پھر فرمانبرداری کا معاہدہ کیا اور خراج دیا۔ لاہور میں سکھوں کی برتری قائم ہوئی۔ میرانِ سندھ نے ان کو بھی تحفے تحائف بھیجے اور انگریزوں سے معاہدہ دراصل رنجیت سنگھ سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔ اسی اثنا میں شجاع الملک، سردار عظیم خاں سے شکست کھا کر شکارپور پہنچا۔ چنانچہ سچل سرمستؒ کی زندگی کے آخری دموں تک سندھ میں شجاع الملک جوابی کارروائی کے لئے، سردار عظیم خاں میروں سے خراج لینے، رنجیت سنگھ ایک دھمکی کے طور پر اور انگریز اس ساری صورت حال میں سبھی مقامی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سرگرم عمل رہے، شاہ شجاع کچھ عرصہ درازا شریف میں بھی مقیم رہا جہاں سچلؒ بقید حیات تھے۔ شاہ شجاع خیرپور کے میر رستم علی خاں کے پاس اپنا سامان بطور امانت رکھ کر جیسلمیر کے راستے لدھیانے (انگریزوں کے پاس) پہنچا۔ اسی زمانے میں سندھ میں سید احمد شہید بریلوی کے مجاہدین آنا شروع ہوئے۔ یہ سارا دور خاصی افراتفری اور لوٹ مار کا دور ہے اور اس دور میں

سچل سرمست کو جو کچھ نظر آرہا تھا وہ یہ تھا۔

مکڑ بي ڏٺم موج ۾ تنهن ۾ مير ملاح
مڇيون مارن اوچتو يا لنگا بي پرواه
لهر بحر جا ناکمر جاڻي شوريا وتن شاه
هند ۽ سند ني فلک نه آڻن مارن مُلک سپاه
واڻـڙا رکن تن متا ويچارا ويساه
آسرا اڙين جا آهن منجهه الله
ڏي پاند پناه رکي وندو راج کي

ترجمہ: میں نے بیچ دریا ایک کشتی دیکھی جس میں ماہر ملاح سوار تھے۔ یہ لوگ خود کو سمندر کا حاکم سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس قدر بہادر تصور کرتے ہیں کہ ہند اور سندھ ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنے آپ پر بہت فخر ہے اور خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی مکار اور دغاباز ہیں اور جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ مچھلیاں شکار کرنے یعنی دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کرتے۔ افسوس سادہ لوح لوگ ان پر بڑا ہی اعتماد رکھتے ہیں۔ تاہم انہیں (مقامی لوگوں کو) اللہ پر اعتماد ہے۔ وہ انہیں ان (فرنگیوں) ظالموں کے ظلم سے بچائے رکھے گا۔

جھوک شریف والے شاہ عنایت اور کھہڑا کے مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے حوالے سے سندھ کی مذہبی فضا اور کلہوڑوں، میروں، ملتوں، انگریزوں، افغانوں اور سکھوں کے حوالے سے سیاسی فضا میں سچل سرمستؒ (وفات ۱۸۲۶ء) نے ہر چند

گوشہ گیر فقیر کی حیثیت سے دن گذارے مگر خود کو ان حالات سے الگ تھلگ نہ رکھ سکے شاہ لطیف بھٹائی کی شاعری میں ان کے عہد کی سیاسی اور مذہبی تصویر براہ راست حوالوں سے نہیں ابھرتی مگر سچلؒ کے ہاں ہر شے شیشہ ہوتی جاتی ہے۔ منصوری روایت کی پیروی میں وہ موجود کی نفی کرتے رہے۔ قاضی علی اکبر درازی "سچل سرمست، شاعر ہفت زبان" میں لکھتے ہیں۔

"سچل نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علمار نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور سرمستؒ کے پاس آئے ان کو تنبیہہ کرنے لگے کہ تم یہ کفر کیوں بکتے ہو۔ سرمستؒ نے ان سے پوچھا کہ اس جرم کی سزا کیا ہے۔ علما نے کہا اس جرم کی سزا قتل ہے۔ سرمستؒ نے علمار سے کہا کہ جس وقت آپ میری زبان سے انا الحق کا نعرہ سنیں مجھے فوراً قتل کر دیں۔ اسی اثنا میں ان پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کی زبان سے انا الحق نکلنے لگا۔ اس لئے علمار نے ان پر تلوار سے کئی وار کئے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علمار نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا۔ سرمستؒ نے فرمایا۔ "یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ وہ ذات باری ہی لگاتی ہے۔"

اسی نعرۂ منصوری نے انہیں منصور، سرمد، شاہ عنایت، شاہ شمس سے وابستہ رکھا۔ اسی نعرہ کے باعث فریدالدین عطار، مولانا روم اور جامی ان کے مرشد ہوئے اور اسی باعث انہوں نے پنجابی کے بزرگ شاعر بلھے شاہ کے بارے میں کہا۔

بلھے کوں بیراگی کیتوا ای جھاں دا شہر قصور

بلھے شاہ برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی زبان کے واحد شاعر ہیں جن کا ذکر سچلؒ نے کمال احترام سے کیا۔ پنجاب میں ان دنوں بلھے شاہ، علی حیدر، مولوی

لطف علی بہاولپوری اور وارث شاہ کا دور تھا، جو اسی ملک کے تھے، جس پر سچل سرمست گامزن ہوئے اور پنجابی کے یہ شاعر اپنے عہد کی سیاسی ابتری سے سخت پریشان تھے۔ علی حیدر نادر شاہ کے حملے پر ہندوستانیوں کو بے شرم کہہ رہا تھا۔ بلھے شاہ کہتا تھا۔ "برا حال ہویا پنجاب دا"۔ وارث شاہ کہہ رہا تھا "احمد شاہ از غیب توں آ پوسی آ ادئیے"۔ اور مولوی لطف علی بہاولپوری پنجاب کے حسن اور سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے "سوہنے دیس پنجاب اُتے سے پنجتن پاک دا سایہ"۔ طرزِ فکر میں اس اشتراک کے علاوہ سچلؒ اور پنجاب کے ان شاعروں میں لسانی رشتہ بھی تھا۔ کیونکہ جسے سرائیکی زبان کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں رشید احمد لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمست" میں لکھتے ہیں۔

" دراصل یہ ایک قدیم مشترک زبان ہے جو مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع میں قدیم علاقوں، قدیم شہروں اور قدیم قبیلوں کے نام کی مناسبت سے یاد کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں پنجابی۔ لاہور میں لاہوری، پوٹھوہار میں پوٹھوہاری؛ ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سرائیکی اور دوسرے کئی نام ایک ہی مقامی زبان کے لئے ہیں صرف لب و لہجہ کا فرق ہے"۔ ص ۲۱۶

"پنجاب میں اُردو" کے مصنف پروفیسر محمود شیرانی نے پنجابی زبان کی وسعت پر کافی بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "پنجاب ملک کی زبان جس کو آج کل پنجابی کہتے ہیں اس کو امیر خسرو نے لاہوری کہا ہے۔ ابوالفضل اسے ملتانی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یورپ کے مؤرخوں نے اس زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ا۔ مشرقی پنجابی ۲۔ مغربی پنجابی، اور اس طرح انہوں نے مغربی پنجابی کو لہندا (سرائیکی) بھی کہا ہے"۔ ص ۲۲

اور بلاشبہ سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری کا لب و لہجہ وہی ہے۔ جو سلطان باہوؒ، شاہ حسینؒ بُلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، مولوی لطف علی بہاولپوری اور سید وارث شاہ کی شاعری کا ہے۔ یہ مغربی پنجابی یا لہندا کے شاعر ہیں۔

پنجابی شعراء سے سچل سرمست کا دوسرا اشتراک ان داستانوں کے ذریعے ہے جو سندھ اور پنجاب یا سندھی اور پنجابی میں بیک وقت مقبول ہیں اور جن پر شاہ لطیف بھٹائیؒ نے بھی طبع آزمائی کی ہے اور سچل سرمستؒ نے بھی۔ ان میں سسی پنوں، ہیر رانجھا ڈھولا مارو یا ڈھول بادشاہ اور سوہنی مہینوال (سوہنی میہار) شامل ہیں۔

سچل سرمست کی اردو شاعری کے بارے میں پیر حسام الدین راشدی کے مقالہ "اردو کا مولد سندھ" میں اردو کے تین ادوار مقرر کیے گئے ہیں۔ پہلا ۱۷۰۰ء سے ۱۷۴۷ء تک جس میں ولی دکنی (۱۷۴۴-۱۶۸۸) شاہ مبارک آرزو (متوفی ۱۷۵۰) شاہ حاتم (۱۷۹۲-۱۶۹۹) مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۷۸۱-۱۶۹۸) اور خواجہ میر درد (۱۷۸۴-۱۷۲۰) شامل ہیں جب کہ دوسرا دور ۱۷۴۷ سے ۱۸۴۳ء تک کا ہے۔ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں سودا، میر حسن، میر تقی میر، جرأت، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور رنگین وغیرہ آجاتے ہیں اور سندھ میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، منشی پرس رام مشتری، سید ثابت علی شاہ، شاہ جو بن رد حل فقیر، سچل سرمستؒ، ضیاء الدین ضیاء ٹھٹھوی اور نواب ولی محمد خان دلی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد اول میں لکھتے ہیں "ان کے (سچلؒ) کلام کا بنیادی موضوع تصوف ہے۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست ان کا فلسفہ حیات ہے۔ عاشقی و دردمندی ان کا مزاج ہے۔ ذکر اور بے نیازی ان کے کلام کی جان ہے۔ سچلؒ کا کلام اپنی سادگی جذبہ عشق اور مخصوص

موضوعات کے اظہار کی ریجادٹ کی وجہ سے اُردو شاعری کی مخصوص روایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ صد ۹۴-۶۶۳۔

جب کہ بی اے بشارت نے اپنے مضمون "سچل سرمست بحیثیت ایک ممتاز اردو شاعر" میں لکھا ہے کہ" اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات کو جس انداز میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ ان کے ہم عصر اردو شعرا سے قطعی مختلف اور انوکھا ہے انہوں نے شعر و شاعری کی پرانی قدروں اور روایتوں کی تقلید بھی نہیں کی۔"

سچلؒ کے سندھی دیوان کے مرتب اور سابق ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ سندھ عثمان علی انصاری کا کہنا ہے کہ" سندھ کی ادبی دنیا میں سچلؒ جی ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ محض اس لئے خراج تحسین دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے کہ اس طرح ان کے اعتقاد کو ٹھیس لگتی ہے سچلؒ کے کلام میں تصوف کی اس قدر لاتعداد خوبیاں موجود ہیں کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم گروہ کے دلوں پہ بھی حکومت کرتے ہیں اور لوگ آپ کے کلام سے نہ صرف لذاتِ لسانی بلکہ تاثراتِ روحانی بھی حاصل کرتے ہیں۔"

کچھ متن اور ترجمہ کے بارے میں

سچل سرمستؒ کی چاروں زبانوں کی شاعری کے سلسلے مندرجہ ذیل کتابوں سے متن حاصل کیا گیا ہے۔

فارسی ــــ (۱) دیوانِ آشکار : سچل ادبی اکیڈیمی لاہور : دیباچہ، پرنسپل مخدوم امیر احمد ۱۹۵۷ء، وہی نسخہ جو خیرپور کے میر علی مراد خان نے پچھلی صدی میں شائع کرایا تھا۔

(۲) دیوانِ آشکار : مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی نمبر 2513-311 PI-VI

کتابت : محمد نشان فقیر۔ ۱۴ رمضان ۱۲۴۴ھ۔ اس نسخہ پر حاجی ڈنل (بندۂ ملتان سکنہ ڈیرہ غازیخان) نے لکھا ہے "ایں کتاب معروف باسم آشکار مصنف سچلؒ بادشاہ ملکیہ میاں نظر محمد میباشد۔" حاجی ڈنل نے اس نسخے کے خالی ورق پر بلھے شاہؒ کی ایک کافی بھی درج کی ہے۔ جس کا آخری بند ہے۔

بلھا آیا اوہیں بہانے حسرت، عبرت تنتے خانے
گاہ مستانے گاہ فرزانے آپ انا الحق پردا واہ دلبر کیہہ کردا

(۳) مثنوی: وصلت نامہ، عشق نامہ، تار نامہ، گداز نامہ، رہبر نامہ، راز نامہ، وحدت نامہ
درد نامہ، دیوان خدائی، غزل بحرِ طویل ——— مرتبہ: قاضی علی اکبر درازی (روہڑی)۔

سندھی ——— (۴) رسالو سچل سرمستؒ، مرتب عثمان علی انصاری
سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۸ء

(۵) سچلؒ جو رسالو (سندھی و سرائیکی) مرتب رشید احمد لاشاری ۱۹۵۸ء

پنجابی ——— (۶) سچل سرمستؒ جو سرائیکی کلام، مرتب: مولوی محمد صادق رانی پوری
سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۹ء

(۷) سچل سرمستؒ سرائیکی دیوان، ترتیب ترجمہ: صدیق طاہر
پاکستان فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء

(۸) حضرت سچل سرمستؒ منتخب سرائیکی کلام، ترتیب و تہذیب: محمد اسلم رسولپوری
بزمِ ثقافت ملتان ۱۹۷۷ء

اُردو ——— متذکرہ بالا نمبر ۶ میں سے۔

دیوان آشکار کے دیباچہ میں پرنسپل مخدوم امیر محمد نے جو مندرجہ ذیل تاثرات دیئے ہیں وہ چاروں زبانوں کے مطبوعہ متن پر پورے اترتے ہیں۔

"و ایں جا باید کہ بصراحت واضح کنیم کہ سچل شاعری را ہرگز بطور پیشہ قبول نہ کردہ و گاہے قلمے بدست گرفتہ، بقوتِ فکر و تخیل شعرے موزوں نمودہ و بہ ترازوئے عروض سنجیدہ، بر کاغذے نہ نوشتہ، و نہ بر اشعارِ خود نظرِ ثانی فرمودہ بلکہ وقتے کہ براہِ حالت جذب و مستی طاری مے شد در آں حالتِ سُکر و بے خودی ہرچہ بر دلِ مبارکش از عالمِ غیب وارد مے شد بہ اظہار آں دریغ نمی فرمود و رفقائے کہ در آں حالت

درمحفل او موجود مے بودند آں کلام را قلمبند مے نمودند۔ وازایں جااست کہ شعر سچل در بسیاری مقامات از قید بحر و وزن آزاد مے نماید و در بعضے جاہا ردیف و قافیہ راہم خلاف قاعدہ مستمرہ استعمال کردہ و پابندئ حرکات و سکنات را نیز التزام نہ نمودہ و نکتِ اضافت کہ در شریعت شعرا حکم البغض المباحات دارد او را نیز بآزادی بہ عمل آوردہ و از استعمال الفاظ غریب و غیر مانوس بل از استعمال الفاظ ھندیہ و سندیہ نیز احتراز نہ ورزیدہ۔ گویا کلامش مصداق "من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو" مے باشد و بعضے از خطاہا را مے توانیم کہ بہ بدذوقی یا کم ذوقی نو پسندگان راجع کنیم۔"

مخدوم امیر احمد نے شائع شدہ سندھی اور سرائیکی کے بارے میں بھی کہا ہے کہ

"درجمع اشعار ہیچ سعی لعمل بنیا وردہ۔ این عمل تا حال (۱۹۵۷ء) بموجب مقولہ سائرہ "الآن کما کان" باقی ست۔ شاید بعد ازیں مردے از غیب برون آید، کارے بہ کند"

سچل سرمستؒ کے کلام کی ترتیب اور صحت کے لئے آج بھی "مردے از غیب" کا انتظار ہے مگر اس ضمن میں ابھی تک تو زیادہ بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ مثلاً صدیق طاہر اور اسلم رسول پوری نے جو انتخاب شائع کیا ہے اس کا متن مولانا محمد صادق رانی پوری کے ایڈیشن سے لیا گیا ہے البتہ صرف یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اصل میں جہاں لفظ "مینوں" ہے وہاں اکثر "میکوں" لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے مولانا محمد صادق رانی پوری کے سرائیکی اور اُردو، عثمان علی انصاری کے سندھی دیوان، مخدوم امیر احمد کے دیوانِ آشکار اور قاضی علی اکبر درازی کی مثنویوں کے متن کو محفوظ رکھا ہے۔ پنجابی کی املا میں بھی ترجمے کی طرح اردو کی املا کے قریب تر رہنے کی کوشش کی ہے اور یہ وہ املا ہے جو شروع سے (اللہ والے کی قومی دوکان) پنجابی کے لئے مناسب تصور کی گئی ہے البتہ جنوبی پنجاب

میں "د" کی جگہ جہاں جہاں "ڈ" کی آواز بولی جاتی ہے۔ وہاں "ڈ" ہی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ "مینڈا" جو پنجاب میں ضلع راولپنڈی سے لے کر نیچے رحیم یار خان اور ڈیرہ غازی خاں تک بولا جاتا ہے مزید جنوب میں اس کا نون غنہ تقریباً غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی املا "میڈا" کی گئی ہے۔

سندھی سے ترجمہ میرے بس سے باہر تھا مگر معروف سندھی ادیب آغا خالد سلیم نے کمال مہربانی سے مجھے اس فرض سے عہدہ برا ہونے میں ناقابلِ فراموش امداد دی۔ سچلؒ کے دوہے کی ہیئت البتہ اردو کے لئے اتنی مشکل اور مختلف تھی کہ ترجمہ میں اسے روائتی روپ دینا میرے لئے لازمی ہو گیا۔ آغا خالد سلیم کے ساتھ ساتھ میں روہڑی کے بزرگ ادیب حاجی علی اکبر درازی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں، جنہوں نے حضرت سچل سرمستؒ کے بارے میں مجھے خاصا مطبوعہ مواد عنایت کیا۔

———— جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

سچل سرمستؒ کا شجرۂ نسب

حافظ عبدالوہاب سچلؒ بن میاں صلاح الدین بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنو بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم محمد حافظ بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم شرف الدین بن مخدوم موسیٰ بن حافظ علم الدین بن مخدوم شہاب الدین بن مخدوم سلیمان بن مخدوم خواجہ ابوسعید بن مخدوم نورالدین بن مخدوم محمد بن ابوالفتح بن محمد اسمٰعیل بن محمد یوسف بن سلیمان بن محمد بن احمد بن برہان الدین بن عبدالعزیز بن عبدالوہاب بن عبدالمطلب بن برہان الدین بن احمد بن عبداللہ بن یونس بن محمد بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللطیف بن محمد باقر بن محمد بن شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ بن الخطاب۔

(سچلؒ جو سرائیکی کلام)

نعت

تعارف

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفت، امواج محمدؐ
'قابَ قوسین او ادنیٰ'
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچلؔ کوں غم کوئی نائیں
کیتا لا یحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دی ڈِٹھم شور گھتیندی شبّی
نا مخلوق سڈیجے اس نوں ۔ رنگ سمورا ربّی
رومی نہ ایرانی چالے رکھدا عزم ہے عربی
سچلؔ دا وِچ ڈوہاں جہاناں مشکل حل مربّی

کل نبیوں کا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفاں ، امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھائے
اس کی تجھ کو لاج محمدؐ
بیکلؔ کو غم کوئی نہیں ہے
کر دیا لا یحتاج محمدؐ

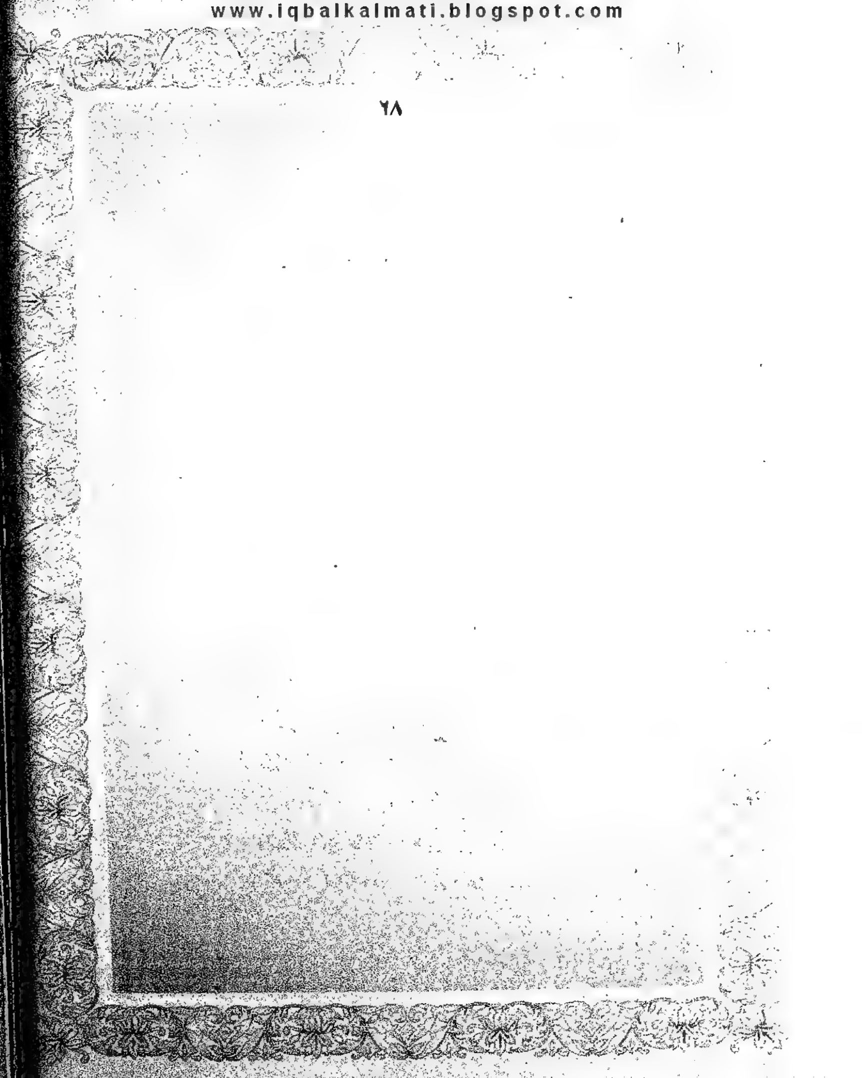
شمع شباہت رُخ دیکھی ہوئی روشن تیرہ شبی
کیا مخلوق کہیں اس کو انداز ہیں سارے ربّی
رومی نہ ایرانی ڈھنگ ہیں وصف ہیں سارے عربی
دونوں جہاں میں بیکلؔ کا ہے مشکل حل مربّی

وچ درازیں دیرا

ڈاڈا، جان، محمد حافظ وچ درازیں دیرا
دست تھیں. دسے اصلوں آہا سارا مقصد میرا
ہادی، مہدی، مرشد میڈا قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق بھہر دم نال مریداں شامل
مہدی شاہ مربی میڈا رہبر راہ ڈیندا
حق محقق، مستی مے دی، بے شک اوہ بخشیندا
شاہ عبیداللہ اساڈا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
ڈاڈا اس دا غوث الاعظمؒ مرشد کُل اولیاواں
قدم مبارک ہویا تحقق گردن سبھ سرتاجاں
کوئی اور نہ سجھدا میںنوں آپے آہا ظاہر
اللہ نورالسموات والارض اوہی منظر ناظر
ولقد کرّمنا بنی آدم و کلناھم فی البّرو البحر
سچو ہر دم حاضر

شہر درازا ڈیرا

دادا مرا محمد حافظ ، شہر درازا ڈیرا
ایک اسی کا فیض ہے سارا جو ہے حاصل میرا
ہادی مہدی مرشد میرا قادریہ ہے کامل
اس کے مریدوں میں ہے عارف عبدالحق بھی شامل
مہدی شاہ مربّی میرا رہبر راہ دکھائے
حق محقق، مستی مے بھی وہ بخشے بخشائے
شاہ عبیداللہ ہمارا ، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
اس کا دادا غوث الاعظمؒ مرشد سب ولیوں کا
اس کے پاؤں میں رُلتے دیکھا تاج اور تخت شہوں کا
اللہ نور السموات والارض ہے سارا ظاہر
اس بن کوئی نہیں ہے وہ خود منظر ہے خود ناظر
ولقد کرمنا بنی آدم وکلناھم فی البر والبحر
سچو ہردم حاضر



اَوَل پيري پَيج ، جي بَند خيالات جا،
تَنهِن پيچاتا ڏَجُ ، حَلاَجِي حيرت ۾،

پُني ءَ جَيجَ نه جُل ، مَنجهه تماشي نه پَوين
گهوٽ ڪَري توں پاڻ کي ، ڪر هَنگامان هُل،
پول نه ٻَي ڪنهِن پُل، وَنج حال حَلاَج جو

"توُن" هي سان "توُن" ليَڻ "مان" ليَاں "تو" سان،
"توُن" "هي" "آءٌ" سَڀهين، "لاَ" ۾ موجودات ني،

بيرنگي ءَ مون رنگ ، پَسو جو پيدا ٿيو،
ظاهر ۾ پيو زَنگُ، موسيٰ ءِ فرعون جو

بندھن خام خیال کے اپنے پہلے توڑ
من میں اپنے ڈال لے، حیرت پھر حلاجؒ کی

جنج پرائی میں مت چل، نہ بن کوئی تماشہ
دولہا بن بارات کا، ڈال دے اِک ہلچل
راہیں باقی سب دلدل، رستہ بس حلاجؒ کا

"تو" کو ڈھونڈوں "میں" کو ڈھونڈوں پاؤں "تو" ہی "تو"
"تو" اور "یہ" اور "میں" سب دیکھوں لا میں تھے موجود

بے رنگی کے جائے رنگ ہیں، دیکھ فرق ہے کیا
موسیٰ اور فرعون کے سنگ ہیں، ظاہر میں ہیں جدا

ترڪ جا پايئين موج سامنڊ پاڻيءَ مهراڻ تي؛
هي اُنهن جا اوج، جن سنبت سوريءَ کي پاڙي

دين ڪفر دل دام، ڏج مٿريوئي موج ۾؛
تنهن کان پوءِ حُڪام، هر ڪنهن منڌ تنهنجو هلي

سوز گداز غم، ميتريوئي معاني ٿيو؛
مار دما مين دَم، عاشق "انا الحق" جو

جاڻ نه تفاوت، عبد ۽ الله جو،
سوآهي امر ت، هي ٻي ڌون نه اُن ڪون

جتي ماڻهن ميڙ آهه، آءُ تتي نا هيان،
سڀي سنباهيان، پٺي عَ شاهه حلاج جي

جي مَجن ٿا آدمي، سي نه مَجان مان
ڪوئي آهيان آن جو پاڻهو ڪنهن جو نه ٿيان

تو جانے جو موج ہے وہ تو ہے مہران
سولی ان کا اوج ہے، چلے ہیں مقتل اور

کفر اور دین دلوں کے دام ہیں، یہ موجوں میں ڈال
اس کے بعد ترے احکام ہیں اور دنیا محکوم

سوز و گداز اور درد و الم سے مل گئی ہمیں معافی
عاشق مار انا الحق دم دم نوبت گونجے ایسی

جان نہ کوئی تفاوت عبد میں اور اللہ میں
یہ بھی تو ہے امرت وہ بھی جدا نہیں ہے

وہاں نہیں ہوں میں جس جا پہ ہو رہا ہے ہجوم
کہ میرے سر میں ہیں حلاج کے چمکتے نجوم

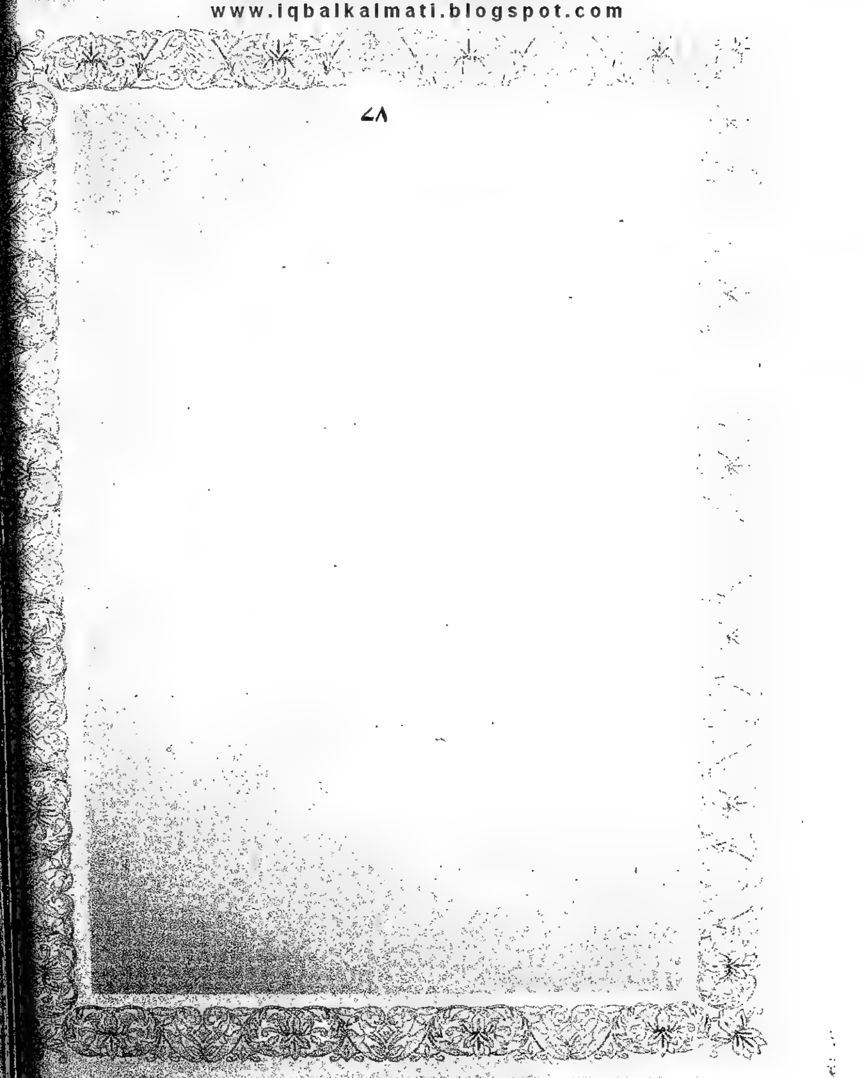
وہ مانتے ہیں جسے اپنا راہ نما، راہ بر
نہیں غلام نہ مانوں گا میں اسے دم بھر

جهڙ ديانيم پاڻ کي، تهڙ و آهيان آن ۾:
باقي رهيو نان ۾، ”سچو“ مون صاحب جو

اُهو ويو هائي ڪاڏي، جنهن ”سچو“ سونان ۾ سڏايو!
مُڪتي ۾ منجهون، ني دي ميان، تيرگُل پيدا، دي ميان،
مُنهن ڪري بيٺو ماڏي.
سُڌ نه پئي، ني دي ميان، طرف اُنهي جي، دي ميان
جان جُٺو ويو جاڏي -
اهو هلي ٿو، ني دي ميان، اهو چلي ٿو، دي ميان
گوشو ڪيو دڃي ڪاڏي
ڏيهه ڏاڏاڻو، ني دي ميان، اڳ ڏنو سي، دي ميان
پڪت ڪئي پڙ ڏاڏي!
نان ۾ ”سچو ۾“ جو، ني دي ميان، ويواوا ڏاهين، دي ميان
طلب دئي يي تاڏي

جیسا سوچا آپ کو ویسا خود کو پاؤں
کچھ باقی رہ گیا مجھ صاحب کا ناؤں

وہ جو کچھ کہلاتا تھا کیا جانیے اب کس اور گیا
نرم کلی سے پھول بنا اور مجھ کو تکتا رہتا تھا
کوئی خبر نہیں جان اور جسم کو لے کے کون سی سمت گیا
کیسے کنج میں چھپ بیٹھا جو چلتا پھرتا رہتا تھا
کچھ تو اسی سمت گیا جس سمت سے اس کا بلاوا تھا



حقیقت

”سَچُو“ سارو سَچُ ٿيو، مُنجهان ڪثرت ڪُل
الف مَؤن آدمُ ٿيو، ڪري هنگامون هُلُ؛
هند مومن سو ٿيو، ڀول نه ڀيِ ڪنهن ڀُلُ؛
”خَلَقَ الاَشْيَاءِ فَهُوَ عَيْنُهَا“ اِهو آنُ عَمَلُ؛
تہ ڳلابي ڳُلُ، مُرمار ٿئي منصور جان

اَچي اِدْ ترُ ياءُ، گهڙيس گهوري جندڙي
چڙهيس ڏاڍي چاه مَون، مستي موج مَٿاءُ
ترُ لهي ترياءُ. شرط لنگهي ٻيس شَهُم

سچو سارا سچ ہے کُل کثرت کا رنگ
الف آدم ساز ہے، ہنگامے رنگ برنگ
ہندو مومن، بھول نہ، سبھی ہیں اس کے ڈھنگ
آپ بنائے اور دیکھے، سیکھ اسی کے ڈھنگ
بن جا پھول گلاب کا منصوری تیرا انگ

جاں بکف کود گیا میں تو سرِ موجِ بلا
مستی و شوق میں اس موج کو بھی زیر کیا
دی کناروں نے صدا، میں سوئے گرداب گیا

گهڻن ڀي گهيڙائُ، تانگهو عشق ستن جيو؛
جن کي عشق عَلِيل ڪيو، سي ايندڙيون اُوتَڙائُ.
جي سُبورَ چِڪنديُون سائُ، ميهَرُ سي ماٽيندڙيُون

ڪيم مهينالاءِ آئُ پلا پلي آهيان.
اڃي آڪرِيُون ڪَٽي، "سَچوءَ" کي سَرچاءِ
ڇانئي جوڙيم جاءِ تو لڳه آ ڪريُون.

ماڻ ڪريان تان مشرڪ ٿيان، ڪيان تان ڪافِر
اِنهي عَدائي عَدَدُ، کو سَمجهي "سچيڏنو" چوي

روئَنُ ڪان نه رهن، آپَل اِهي اَکيُون
سيڪَنهن ديل وهن، اڻن اڻ اوهين ڇا

پیارہ پتن سے آنے والی کا بھی نَہرا ہوتا ہے
کود پڑے جو، اس کا پاگل عشق سنہرا ہوتا ہے
مہینوال ملے پر جن کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے

میں انجان ہوں جانیا! بولی نہ مجھے مار
ایک نظر اور خوش کر دے تو اپنا سمجھ یار
ان نینوں میں اپنا رتبہ دیکھ لے اے دلدار

چُپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں بولوں تو میں کافر ہوں
سچ ڈھیٹو جو بھید کی بات ہے کس کس کو سمجھاؤں

روتے روتے بس نہ کریں اے ماں میرے یہ نین
پل پل ان سے برکھا برسے جیسے ساون رین

ڏسن ۽ رئن ، اِهـا عـادت آڪـين ڪي
سي سرهيُون شال ھُئن، جن ڪي اَنڌ اڌيرن جا

لايون پرت پَسن، اَڏن آڳم اکـين ميـڙيا
سي تان ڪيئن نه وسن، جن ڪي اَنڌ اڌيرن جا

اَسان پِرينَ وِچ ۾ ، ڏور ڏھـي ڏريا ءُ
ڇُوليُون ڇران ٿِي ڪري، پيرو ڇِنِي واءُ
سُڻِي آھان آءُ، ميان هِن مُشتاق جيُون!

اِسان پـريـن وچَ ۾ ، جَـرُ وھـي جـاري
ھِـڪـڪرُ ڪـو ڪُنَن جو پوي، ٻيون ويريُون ڏي وادي
هَت سا جن جاساري، سا ڏھلي ڪينَ درياءُ ڪُوُن،

دیکھ دیکھ ساجن کو رو دیں ڈھنگ ہیں میرے نین کے
شاد رہیں وہ آنکھیں جن کے سارے روپ ہیں ساون کے

پریت لگائیں آنکھیں، دیکھیں ساجن، برس پڑیں
یہ ساون سے ملتی ہیں اور ساون برس پڑیں

ندی کنارے ساجن ہے اور بیچ میں ہے طوفان
تیز ہوا، شہ زور ہیں موجیں، کانپے میری جان
ایسے میں میری آہیں سن کر پیا ملو تم آن

اس کے، میرے بیچ میں بہتا ہے دریا
گریں کنارے جس میں، شور مچائے موجِ بلا
ان کو کیسا ڈر جنہیں، ساجن یاد رہا

ڇَرِي ڇَرِي ۾ ڇِٽَو، ڇَرِيو آهي لوڪُ
جو ڇَرِيُ لڌو ٿوڪ، سُو سچُو آهه نه سيکنهين

عاشق مرندا ڪينڪي، رهندا ڪين مڪانَ ۾،
ديواني درياهَ جو، پِيتئون پيالو پُرڪري
اَبرِ مَنجهه اَمرِتيا اُهي گڏ يا ڪين جهانَ ۾
غيب ۾ جي غرق ٿيا، تن گهاڙُ گرِدَن ۾ لڳا
ٻولي ٻولن ٿا ٻي نڪا، اُهي رَهن ”الاَمانَ“ ۾
ڪيئي پَرَ هندي سال ٿيا، روزا نمازون نفل ني،
تن ڪَنن ڪَل ڪانه ڪا، باطون جي بيانَ ۾

اس کو پاگل مت کہو پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو ملی ہے جو قسمت کہاں ہماری

کبھی نہ آئے موت اس کو وہ رہے مکاں سے دور

اس دریا سے بھرا پیالہ پی بیٹھا دیوانہ
اجر ملا اُسے امر ہوا وہ رہے جہاں سے دور
تن گردن پر گھاؤ لگے اور غیب میں ہے مستور
ہردم رہے اماں میں وہ تو حرف و بیاں سے دور
روزے نفل، نماز گزارتے عمریں بیت گئیں
قتل ہوئے جو وہ تو ہے باطن کے بیاں سے دور

چين ولايت گهر ڪري، گهڙي گهارن ڪينڪي
پَسَن هادي حَق کي، رهن ٿا بَشيانَ ؟
هَردم آهي دم دست ڏي، آهي سُونهن ٿا سرانجام ؟
سوَ "سچوءَ" کي ٻي مليو هي گُرا جي ته گيانَ ؟

ٿو دوستي ۾ جو دم هڻين، پر ڪيئن ڪيس قُربان ٿئين
مهند منصوري ۾ جي تُون، مَنجهه معرڪي مَردان ٿئين
دري معني "اَنَاسِرَهُ" تنهين اسم هُون انسان ٿئين
جي تو پوي سُڌ سور جي، حيرت انهي ۾ حيران ٿئين
نعرو "اَنَا الحَقُ" جو هڻين، تڏي مرد سرميدان ٿئين
جي دم سُڃاڻين پاڻهنجو، تون دين، تون ايمان ٿئين
"سچوُ" يڪايڪ يڪ ٿئين، تون شمع، تون پردان ٿئين

ہادیِ حق اسے دشت و بیاباں میں ہی آن ملا
چین، ولائت، دیس بدیس اور شہر گراں سے دور
آخرِ کار گیان میں سچو گورو وہ آن مِلا
یاد کیا اسے ہر دم میں نے رہ کے جہاں سے دور

دم مارے یارانے کا پر ہو نہ سکے قربان
رستہ اک منصوری ہے اور وہی ہے مرد کی شان
"انا سرہٗ" کے اسم سے ہوا ہے تو انسان
دکھ سے حیرت ملے کہ جس سے تو ہو گا حیران
آئے انا الحق نعرہ مار کے آئے سر میدان
تو جانے جب خود کو تب سے تو ہی دین ایمان
شمع پتنگا جیسے سچو ہو جائیں یک جان

سسّی پنوں اور ہیر رانجھا دو ایسے رومان ہیں جو سندھی اور پنجابی کے ادب میں ایک سی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف بھٹائی سے لے کر شیخ ایاز تک ہر ایک کی شاعری میں ان داستانوں کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعینہٖ پنجابی میں بھی ان رومانی داستانوں کی ایک سی حیثیت ہے۔ پنجابی میں چھوٹے بڑے بیسیوں شاعروں نے سسّی پنوں پر طبع آزمائی کی۔ سندھی میں سسّی کی داستان یوں ہے کہ بھانبر نامی شہر کے کنارے ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن خدا مہربان ہوا۔ اس کے گھر میں چاند سی بچی پیدا ہوئی اس بچی کے بارے میں نجومیوں نے بتایا کہ اس کا بیاہ ایک مسلمان سے ہوگا۔ برہمن بہت ناشاد ہوا۔ مجبوراً ایک صندوق میں بہت سا سامان رکھا، بچی کو بھی بند کیا اور صندوق ندی یا نہر میں بہا دیا۔ بھنبھور شہر میں ایک لاولد دھوبی محمد عرف لالہ رہتا تھا۔ اس کے کارندوں نے بہتا صندوق پکڑا اور مالک کو پیش کر دیا۔ محمد نے اس بچی کو اپنا لیا جوان ہوئی تو محمد نے جو یقیناً امیر آدمی تھا، سسّی کے لئے محل اور باغ بنوایا۔ سسّی کے حسن کا شہرہ عام ہوا۔ بھنبھور اور ٹھٹھہ تجارت کا مرکز تھے۔ تجارتی قافلے سسّی کے حسن کی تعریف کیچ اور مکران کے ساحلوں تک لے گئے جہاں کے حاکم آری جام کا بیٹا پنوں تاجر کا بھیس بدل کر بھنبھور پہنچا۔ سسّی نو وارد تاجر سے مشک و عنبر خریدنے گئی کہ یہ قافلہ اپنے ساتھ خوشبوئیں لایا تھا۔ سسّی اور پنوں کے عشق کا آغاز ہوا۔ محمد نے پنوں کو آزمایا کہ اسی کی برادری کا ہے۔ دونوں کی شادی ہو گئی اور دونوں بھنبھور میں رہنے لگے۔ پنوں کے باپ آری جام تک بات پہنچی تو اسے شہزادے کی حرکت سے صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں چندد، ہوتی اور نوتی کے ساتھ اپنے آدمی بھنبھور بھیجے، جنہوں نے دام فریب بچھایا اور ایک شب پنوں کو نشہ آور دوائی پلا کر اونٹوں پر ڈالا اور کیچ کی طرف بھاگ نکلے۔ سسّی پر پہلی صبح فراق طلوع ہوئی اور پنوں کی تلاش میں تھلوں اور پہاڑوں سے گذرتی "پب" (پالس بیلہ) کی وادی تک پہنچی۔ وہاں ایک چرواہے نے اسے ہوس کا نشانہ بنانا چاہا، سسّی نے خدا سے دعا کی، زمین شق ہوئی اور سسّی اس میں سما گئی۔ کیچ میں پنوں ماہیِ بے آب تھا۔ باپ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ پنوں کو بھنبھور سے سسّی کو لانے کی اجازت مل گئی۔ پنوں تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر بصورت بھنبھور کی طرف چلا مگر راہ میں وہ مقام آ گیا جہاں سسّی زندہ دفن ہوئی تھی۔ اس کے دوپٹے کا پلو قبر سے باہر رہ گیا تھا۔ پنوں نے آسمان کی طرف دیکھا، دست دعا اٹھایا۔ سسّی کی قبر شق ہوئی اور پنوں بھی اسی قبر میں سما گیا۔

ستّی

ويُم لا لَنُ لوڙِ، هيءَ اٺاسي نندم؟
ڀَلي ءَ هيٺن نه پاتيُو، پيو پروڙڻ پوڙِ
هوتُ وتم جي هوڙِ، تا سُک گذاريون ڏينھڙا

منهن ڏيئي آيام، جبل جهاڳڻ ڪيچ جا؛
طعنا تهمت لوڪ جا؛ سر چِڪا چايام؟
پَت پَلي ءَ پايام، سِهرا سُور پرين جا

لخين ڏيئي لت. پاڻ ئي ڪريان پَـڌرو
سار وِسندو ڙيان، جيڏيون ڪارڻ ڄت
منهنجي ڪا مصلحت، هئي هوتياڻن م؟

ڪري سات سوال، ته ڪيچن جي ڪا ڳالهه ڏيو

میں تھی ابھاگن سوتے میں مجھے لالن چھوڑ گیا
ڈھونڈوں گی ان پاؤں کے نقشے مجھ کو خبر تھی کیا
ہوت جو ہوتا پاس تو جیون سکھ سے دیتی رہتا

پنگھ کی راہ میں کیسے کیسے پربت آتے ہیں
کیا کیا تہمت اس برہن پر لوگ لگاتے ہیں
لیکن دکھ پریتم کے مجھ کو سکھ بن جاتے ہیں

پربت پربت پاؤں دھروں وہ روپ دکھاؤں میں
دنکر تک اس جت کی خاطر ڈھونڈتی جاؤں میں
ہوت سبھا میں ذکر ہو میرا یہ سن پاؤں میں

چھوڑ گئے ہو مجھ کو پیچھے کیچیو! سنو سوال

جا ڇڏياٿون ڇپر ين، موٽڻ تنهن مجال
ھِيءَ ھِيءَ آدياڻي ءَ دي، ھھڙا ٿيڙم حال
سندي ھِن سنڀال، ڪا ھئي ھو تياٿيم؟

راتو ڏينهان رت، اوتڻ آيم اُن دي؛
آيل عشق عليل م، شال نه پوي ڦٽ؛
جيل سڀ جهاڳي وحيي، جيڏيون ڏسان جت؛
ھِن مٿي ءَ جومت، پوي مذڪور پرين م؛

گوندر گذاريام، سي تان پلا ڏينهڙا
سيڪنهن ساعت سپرين، ٿي صحي ساريام؛
ھي ڪشالا ڪاريام، ساعت ھڪ سهڻ جي

ڪوڙين قرباني، ٿيان ھوت پنهون ءَ تان
ساھ سري صدقي ڪريان، سندن مهماني.

ڈھونڈنے نکلوں میں محبوب کو ہے یہ مجھے مجال
اُس آری بن دیکھو آ کر مجھ پر پڑا دبال
ہوت کی محفل میں کہتا ہے میرا بھی کوئی حال؟

اس بن میں تو خون کے آنسو روتی ہوں دن رات
ڈرتی ہوں اس روگی عشق میں ہو نہ شک شبہات
پربت پربت روند کے جاؤں جست سے ہو ملاقات
اسی بہانے مجھ دُکھی کی چھیڑے دہاں پر بات

دُکھ میں جو بھی دن گذرے وہ سُکھ کے تھے ایام
ہر ہر ساعت اس کی یادیں میں نے کیا بسرام
اِک ساعت مری آنکھ لگی، اسی کا دن ہے کہرام

ہوت پنّوں پر لاکھوں بار میں ہو جاؤں قربان
صدقے کر دوں ہر اک سانس کو وار دوں اس پر جان

هي جوين جواني، ٿي اَچا ئي گذري،

جبل جالون جال، سو مون ڏرڻ نه ٿئي
رڏا وڻ وڪار جا، ڪافن ڪوهه ڪشال
هي مون ڏسي حال، بارو چو ٻا جهه ڪري

هن دم آدي آئُ، تاهيم حال هلڻ جو
مون نمائي ءَ کان ءُ، هي تر ٿيليو نه ٿئي

يهه سند وٿيو ڏور. رهبر ٿي ءُ رُجُن ۾،
ون ويچاري ءَ مُور، هي تر ٿيليو نه ٿئي

جي هئي ڪميڻي ءَ ڪل. تا صبح ويندو ساٿڙو
تان مون ننبن مهل، پُرزا پُرزا پاڻ ڪيو

ڏکن منجهان ٿُڪ، مُون تا لَڏا جيڏيون
ڏودينديِ کي ڏک، سُونهان ٿيڙ اسَچٽان

یہ جوبن، یہ بھری جوانی، اُس ربن، بس گذران

پربت پربت اس کو ڈھونڈوں یہ میری تقدیر
دور دلدار کی چھاؤں ہے ابھی کوہ کی ہے تعزیر
مہر کرے شائد وہ دیکھ کے حال میرا دلگیر

اٹھتا نہیں اس دشت میں اب ایک قدم بھی
آ ری تو چلا آ تجھے ڈھونڈنے سے ہے نمانی

دور دیس ہے تیرا، ساجن مجھ کو راہ دکھا
بھٹک رہی ہوں ویرانوں میں مجھ کو پار لگا

جو میں کیسنی جانتی، جائیں گے یہ کل
پرزہ پرزہ کر دیتی میں خود کو ہی اُس پل

سکھیو میں نے ہر ہر دکھ میں پایا ہے اک سکھ
تب پریتم کو جان گئی جب ڈھونڈن نکلی، دکھ

ڪَن سهانگا سُک، جي ساري عالم آئيا
ڏور مهانگا ڏک، جي ورتا ور ۾ وارثين

سينڌيون جي سُکن، تنين گوندر گهوريا
ڏنم ڪاڻ ڏکن، هي سِرُ سارو سَت ۾

سُکيون ڪوهه پُڇن، سنڌيون ڏکن خبران؟
سي هِن وهاڻ وچن، ڏيل ڏکايل جن جا

گوندر ڪيئن گهوريان، جنهن ڪيس سينڌي سڄئين
جان تِڪ پئي توريان، تان ڏک موچارا سُک کَنؤن

جي گوندر گوشِ نه ڪن، کهه پيون سي سرتيون
جَن سنگت ساڻ سُکن، سي پاڻون هوت پري ٿيون

گوندر گهمي جي لهان، تان سُک سَوين سارئيان
آئُ پَڻ ڪيئن پارئيان، ڏک سکن سان سرتيون

سب عالم کو ملتے ہیں یہ سستے سستے سُکھ
پریت کے ماروں کو ملتے ہیں ڈھونڈ کے مہنگے دُکھ

بھاگیں دُکھوں سے دیکھو یہ سُکھ کی داشتائیں
جھٹکے میں سر دیا ہے ہم نے کہ دُکھ کمائیں

سُکھ والی کیوں خبریں پوچھیں جن کی دکھ میں گذرے
ہم نے تو سُکھ جان کے پہنے اپنے جسم پہ دکھڑے

جس دُکھ سے مجھے پیا ملا وہ کیوں کر دوں قربان
دُکھ سُکھ پاس جو رکھ کر دیکھوں دُکھ کی اور ہی شان

بھاڑ میں جائیں وہ سکھیاں جو سُنیں نہ دکھ کی بات
جن کی سنگت سُکھ سے ہے کبھی ہوں نہ ہوت کے ساتھ

ڈھونڈوں اور جو دُکھ مل جائیں سُکھوں کو آگ لگاؤں
دُکھ سُکھ کیسے ایک سے جانوں، سکھیو، کیا سمجھاؤں

ڇنين گوندر گوش، آءُ گهٽو تَن نهاريان
جال اُنهن ۾ جوش، سدا آهي سرتيون

سُکن واريون سَوَ، ڪا ڪا ورهُ وارٿي
ترت انهيءَ کان تَوَ، پگهيون آتڻ واريون

آتڻ واريون آئيون، تيون آتڻ اُجاڙين
جي گوندر گذارين، آتڻ تن اُوک ٿيو

سارو لوڪ سُکن، پوءِ رهايو پرين ءَ کُون
ڏسو واه ڏکن، هوتُ وهاريو هنج ۾!

مٿان وسارين ودءِ وديءَ ڪر وسندڙ ۾
جي گوندر گذارين سي تو ،چڱا ڏينهڙا

گوندر جن گذاريو، ڪا تئون سي لهان؟
هڪڙي رات رهان، وڃي ورهه وارثين

ان کو تکتی رہتی ہوں میں جن کی دکھ سے یاری
سکھیوان کا جوش تو دیکھو ہیں ان کے بلہاری

سکھ سے سنگت لاکھوں کی ہے کوئی کوئی دکھیاری
دکھ کی آنچ سے رہ رہ بھاگیں آتن والی ناری

آتن والی آئی ہیں اور کریں اسے اجیارا
دکھیاری کا اس آتن میں کیسے ہو گذارا

سکھ میں رہنے والے لوگ سجن سے رہ گئے دور
ہوت پُنل آغوش میں ان کی دکھیوں کا مقدور

پکارتی رہو ونڈر میں بھولنا نہ اُسے
جو تیرے غم میں بسر ہوں گے دن ہی ہوں گے

جنہوں نے عمر گذاری ہے دردو غم کے ساتھ
بسر کردں کبھی اسے کاش ان کے ساتھ اک رات

گوندر جن گذاريو، آءُ تنين گولي؛
هنيڙي ۾ هولي، هوندي ڏکن ٻارئين

گوندر جن گذاريو، آءُ پکي تن پيهي
ڏنائُن ڏيهي، وٺان واس ورهه جو

گوندر جن گذاريو، مُنهن تنين مَهتاب
سنديون نيهن نواب، آهن ورهه واريون

ڪيچڻ اچي قافلو، مون وٽ ٿيو مهمان
"سچل" ساري سات جو، هو آريائي اڳوان
مولي مهربان، ٻنڊ رنمائي ۾ ٿي ٿيو

ڪيچڻ آيو قافلو، رات موچاري ۾ روءِ
مڙيو ٿي خوشبوءِ، ٿيو سارو شهر ٻنبور جو

ڪيچڻ آيو قافلو، ڪٿي ڪتوري ۾ ٻار

میں ان کی گولی ہوں دکھ میں جو دن گذارتے ہیں
کہ ان کے سینے تو ہولی کا عکس اتارتے ہیں

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو ان کے جاؤں دوار
دُکھ کا پاس میں لے لوں ان کے دو پل وہاں گذار

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو منہ ان کے مہتاب
وہ تو عشق کی نگری کے ہیں صاحب اور نواب

کیچ سے آیا قافلہ ہوا میرا مہمان
آری ان کا راہ نما آری تھا اگوان
کرم نمانی پہ ہوا مولا ہوا مہربان

کیچ سے آیا قافلہ چمکی کالی رات
شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی سوغات

کیچ سے آیا قافلہ لایا ہے کستوری

هر ڪنهن هند هُبڪار، ڪيئن ساروشهر ڀنڀور جو

ڪيچئون آيو قافلو، خوب ٿيس خوشحال
ڇڳو ٿيڙم حال. پسڻ سان پرين جي

شال نه وسرين هوت، ٻيو سڀو مون وسري
مون کي تان ٿئين موت، هٿين آڪترين ۾

ويم نڪري قافلو، هاڻي ڪيئن ڪريان؟
ويٺي ڏک ڏريان، پرين ري پرڏيهه ۾

ويم نڪري قافلو، ڏاڍو ڏيئي ڏک
ويٺي سارئيان سُک، جو هيڪند هيس هوت سان

ويم نڪري قافلو، ڪائي نه پيئي ڪَلَ
سيني اَندر سَلَ. اُٿم آري ڄام جا

گهٽا ڏينهن ٿيا، مون ڏوريندي ڏونگرين

شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی مخموری

کیچ سے آیا قافلہ ہوئی ہوں میں خوشحال
دیکھ دیکھ کے ساجنا ہوتی جاؤں نہال

میں نہ بھولوں ہوت کو وہ مجھ کو بھولے
موت سمے بھی آنکھوں میں وہی سجا رہے

نکل گیا ہے قافلہ کیا تدبیر کروں
میں پردیسن ہو گئی بن پیتم دکھ بھروں

نکل گیا ہے قافلہ دے کر مجھ کو دُکھ
یاد کروں میں ہوت کی سنگت کے سب سُکھ

نکل گیا ہے قافلہ میں رہ گئی انجان
آری جام کے عشق سے سینہ لہولہان

پربت پربت تجھ کو ڈھونڈتے کتنے ہی دن گذرے

جي مون سڏ ڪيا، سي ٻُڌي ٻاروچا ورين

جي مُنهن ٻاروچي ڏسان، تا سَيِڪَٽي تِيَنم سُڪ
ڏورتين مون ڏُک، پَسَڻ ساڻ پرين ءَ جي

مون هَتان پيئي، ڏوهُ نه مٿن ڪو ڏيان
حال ڇوان هيئي، هَلي هوتياڻن ڪي

اٿي ويا اوٺار، ڪٽي سات سويل جو
هاڻي اَديون آئيا، ڏورڻ مون ڏونگار
ٻيا پيي هوت هزار، منهنجو پيچ پُنهون ءَ ساںَ

منهنجو پيچ پنهون ءَ سان، ازل لاڪون آهه
هاڻي ويهڻ ٿياهه، ٻيئڙُ هن پنيو ڊم

ڪريان ڪوه پنيورم، ور ٻنا ويهي
جيهي جي تيهي، آءُ تان سندن آهيان

میں نے بلوچا تجھے پکارا شائد پلٹ پڑے

دیکھوں سکھ بلوچ کا سب دکھ ہو جائیں دور
پریتم تجھ کو دیکھ لوں تو سکھ سے ہوں مخمور

پر میرا ہی دوش تھا اس کا نہیں قصور
کاش اک بار میں ہوت سے حال کروں مذکور

اونٹوں والے لے گئے اپنے سنگ مرا یار
پربت پربت اس کو ڈھونڈے بخت مرا لاچار
مرا یار پنّل تو ایک ہے، باقی ہوت ہزار

روزِ ازل سے، عشق سے، میرا پنوں سنگ
سکھیو شہر بھنبھور میں بیٹھوں کیا کرنگ

بن ساجن بھنبھور میں کیسے بیٹھ رہوں
جیسی تیسی ہوں سکھی میں تو پنّل کی ہوں

ڪيو ڪميٽيءَ ڪچ، جو سُتيي سويلي رهي
اُنهيءَ جي افسوس سين، ڪيو محبت مچ
پنهون جام پرچ، ناميا نما ٿي ڌسان

پُنهون پنهون ٿي ڪريان آءُ پڻ پنهون پاڻ
آديون ڏيس اَجاڻ، جو ڪين پروڙيم پاڻ کي

جان پروڙيم پاڻ کي، تا آءُ پنهون آهيان
ڪنهين طرف ڪاهيان، جو طرف مڙئي تمام ٿيا

پيهي پروڙيوم، تان پنهون پاڻ ٿي آهيان
پاڻ ٿي منجهان پاڻ کي، هي ٻه پڙلاءُ پيوم
صحيح ڪن ڪيوم، ته غير گمان اُٿي ويا

عمر اَجائي گذري، ڪارڻ مَتيو رنگ
مڻ نهارڻ نه ٿئي، سانوَلَ سارو سَنگ

دوش تھا مجھ کمینی کا میں جو سو رہی
اب پچھتاوا آگ ہے سینے میں بھڑکی
جام پیؤں اسے کاشش اب مجھ پہ ہو راضی

پیؤں پیؤں کرتی میں تو آپ ہی پیؤں ہو گئی رے
سکھیو میں انجان رہی جو خود کو ڈھونڈ نہ پائی رے

کھوج لگایا اپنا، تھا پیؤں ساری اور
ہر ہر سمت میں پیؤں ہے کونسی سمت اب اور

ڈوبی اپنے آپ میں، تو میں ہی پیؤں تھی
اندر سے آوازیں آئیں میں ان کو تھی جانتی
بیچ سے غیر گمان گیا، آواز کو جب سمجھی

جیون بیتا کالے بالوں نے بھی بدلا رنگ
نہ دیکھوں کہیں اور کو سکھیوں کا نہیں سنگ

هِن نماڻيءَ جو ننگ، آهه اوهان تي سُپرين

وڃي ڪيچ وٽن ۾، ڪامل ٿيئين قرار
ڏيچاري ۾ وسار، جا اجهي آهي آهنجي

وڃي ڪيچ وٽن ۾، ٿئين جانب جاءِ
هُوجي ادري ڪيچ ڪوُن، سي مون لڪ لنگهاءِ
پنهنجو پاڻ پساءِ، ناته تي دوست دم ڏيان

هوجو ڪيچ وٽن موُن، اچي واءُ وريءَ
سو مون کي محبوبن جي، ڏئي خبر ڪري
ويان تام مري، جان پاڙ وچي مُنهن ڏسان

هوجو ڪيچ وٽن موُن، ورپو اچي واءُ
ماريون تنهن متاءُ، هي عُ سرڪريان صدقي

هوجا ڪيچ وٽن موُن، تي هير اچي هاڻي

ساوَن مجھ نمانی کا پردے میں پیچھو سنگ

تُو تو بیٹھا کیچ میں من میں لئے قرار
جس کو تیرا آسرا اس کو تو نہ بسار

تُو تو سُکھی سُکھی جا کر کیچ میں بیٹھ رہا
کیچ اور مجھ میں پربت حائل ان سے پار لگا
دم توڑوں گی راہ میں ورنہ مُکھ دکھلا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھُو کر جب جب آئے ہوا
محبوبوں کی خبر خبر مجھے دیتی ہے وہ سُنا
سانس نہ نکلے جب لگ مُکھ بلوچ دکھائے آ

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر سکھیو آئی ہوا
ان جھونکوں پہ جان اپنی قربان کروں میں سدا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر ٹھنڈی سی آئے ہوا

تنهن آريائي آئي : جڻ موں سان اَج ملايو

هوڄا ڪيچ وڃن مون ، اَچي هـيـرَ هلي
مهن ساري ڳالهه سلي ، پرين سندي پار جي

هوڄا ڪيچ وڃن مون . لڳي تيز تنوارَ
سندي پرين پار، تنهن ڏنا دلاسا دل کي

مارڳ متا هون ٿيو ، مارڳ چڙهي ڪير؟
سا پڇي سات سوير، جا ئي مارڳ تي مري

ملهي مارڳ مرُ ، تان توں تنين جي ٿئين
جبل هار نه جرُ ، ار تو اُکرُ ين مون

مارڳ مرڻ آهه ، گهوريو جيڻ جيڏيون
پير نه پوئيون پاءِ عاشق مرُ اڳي ٿئين

مارڳ مران شال ، دعا ڪريجو جيڏيون

یوں لگتا ہے آری سے مجھے دیا ہے اس نے ملا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر ٹھنڈی آئے ہوا
اس نے یار کے دیس کی ساری باتیں دیں بتلا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر آئے تیز ہوا
دے دلاسے یاد مجھے آ میری دھیر بندھا

منزل کیسی اونچی ہے کوئی اس تک کیسے جائے
سانجھ سویرے ساجن ڈھونڈے وہ منزل کو پائے

منزل ملے تو خوش ہو ہو کر کر دے جان فدا
خون کے آنسو رو رو کر مت کر پربت گیلا

منزل پر مرنا سکھیو اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہٹے دے بڑھ کر اپنی جان

سکھیو کرو دعا، منزل پر مجھ کو آئے موت

هوت ھمڙي حال، مانَ مٺا ن مون هٿ ڏئي

هُوسياڻا سُپرين، عاجز ھي ءَ آڇاڻ
آءٌ ڪوهياري ڪاڻ، متي راهه رئان گهڻو

باري برهه بلوچ جو، رڳو ڙئي راحت
سايان ساساعت، جا هيڪند هُيس هوت سان

باري برهه بلوچ جو، آهي نُور ونُورُ
راتو ڏينهان روح ۾، مُحبن جو مذڪور
ڏيڻ آهه ضرور، ڪا ڪيون ڪيچيڙن ڏي

باري برهه بلوچ جو، ادانداهي ءَ ادبَرُ
سائي آهه سَپرَ، سو نه ڇڏيندو ڇپرَين

پنڌ عجائب پرين ءِ جو "مان" سان ڪين هلي
سائي چاهه چلي، جنهن "مان" ڇڏي وچ ۾

مر جاؤں تو شائد مجھ پر چھاؤں کرے ہوت

سجن سیانے، میں ناجانِ انجان میں کیا جانوں
میں کو ہیارے کی خاطر راہوں میں روتی رہوں

یار بلوچ کے ہجر کی آگ ہے مجھ کو راحت لیکھ
یاد کروں اس ساعت کو جب میں اور وہ تھے ایک

یار بلوچ کی برہا کی تو آگ ہے نور ہی نور
میری روح میں رات اور دن بس اس کا ہے مذکور
کیچ کی مشکل راہوں پر مجھے جانا پڑا ضرور

یار بلوچ کے ہجر کی آگ سے روشن ہو گئی رات
ساتھی میرے جیون کا نہیں چھوڑے گا مرا ساتھ

اس کی راہ عجیب ہے "میں" سنگ کوئی نہ جائے
"میں" کو پیچھے چھوڑے جو، وہ اس پر چل پائے

سوين ڳڻ سندان، مان ٿي ساريان سرتيون
سڳها ٿيندا سُپرين، مون تي مهربان
ويهان ڪيئن مان ڪري، جي ءَ مٿي جولانَ
آءٌ ڪيئن ۾ ارمان، هِيڻ و هوت وساريان؟

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، مان ٿي اڳڻ نهاريان
ساريو سُپرين ڪي، هنجون آءٌ هاريان
گوندرگڏاريان، هيَ هيَ سارا ڏينهڙا

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، نتنگ انن تا ٿي
هوتن ري ءَ ها ٿي، اڱڻ نهاري نه سگهان

ويٺي ڪيچيڙا ڪالهه، تون اَڄ ٿي پير نهارئين
هولنگهي لڪ سنوان ٿيا، توهت ههڙا حال
ڪندئين سار سنڀال، وڃي ڪيچ وڻن ۾.

سکھیو جن کو یاد کروں میں اُن کے گُن ہزار
چپ بیٹھوں کیسے جب مجھ پر کرم کرے مرا یار
میرے اندر اس کی پریت کی آگ کی ہے بھڑکار
ایسے گُن جب ہوت کے جیوں میں کیسے دوں بسار

پیچھی کل گئے میں ڈھونڈوں آج اپنے آنگن
پل پل یاد کروں پریتم کو آنکھوں میں انسون
اب تو دکھ کے ساتھ ہی گذرے گا سارا جیون

پیچھی کل گئے اونٹوں کے باندھ کے سارے تنگ
کیا دیکھوں میں آنگن کو جب ہوت نہیں ہے سنگ

پیچھی کل گئے میں ڈھونڈوں ان قدموں کے نشاں
پربت پار وہ سیدھی رہ پر پہنچے کیچ جہاں
بیٹھ گھنے پیڑوں کے نیچے کریں گے میرا بیاں

اَڳَڻُ ساڳِي اوڙ، پَرَ ڪيچن کي ڪاٿون لهان؟
ڏيي ڦَٽَ فراق جا، پورهيت ڇڏيون پوءِ
هاٺي راهُن متي روءِ، سڏ ڪريندي سات کي

اَنُ مُلهي آهيان، بانهي بارو چن جي،
سي ڇَپَرُ ڇايان، آهُن ءَ دانهُن سين

وندرم ويهان، ڦولن پيون پرين ءَ کي
نال جنين نيهان، هوت تنين جي هنج ۾

هوت پرين هڪواري، مون کي اچي مِلج ميان!
ڏونگر ڏورڻ مون نه ٿئي، ميان الا، آءُ اوري تون آري
ڳچيءَ پائي ڪيڙو، ميان الا، زور ڪريندس زاري
جا ادها نجڙي ڪونجي، ميان الا، سا تو ڪيئن وساري؟
هيجون ڪنيم سر تي، ميان الا، يار برهه جو باري

یہ آنگن تو وہی ہے لیکن پہنچ گئے کہاں،
دے کے زخم فراق کے مجھ کو چھوڑ گئے ہیں یہاں
کوک پکار انہی راہوں میں چھپتی رہ گریاں

یار برہن کے ہاتھوں میں بک گئی ہوں انمول
اس آنگن میں سسکیں گے اب میرے دکھ کے بول

ڈھونڈ رہیں کئی اپنا اپنا ساجن کھوج رہیں
ہوت ان کی آغوش میں جن کے نیناں لگے کہیں

ہوت پہ تیم، مان خدا کا نام، میاں مل جا
دشت و جبل میں ڈھونڈ نہ پاؤں مل جا آ رہی جام
ڈال دوپٹہ گردن میں میں منت کروں سلام
اسے بھلایا جس نے جیون کیا ہے تیرے نام
کیسے ہنس ہنس سہہ گئی میں سب برہا کے آلام

ويٺي ڏسان واٽڙي، ميان الا، مونجهه اوهان جي ماري
”سچوءَ“ سندو سڄڻا: ميان الا، ٿيو فراق فراري

نٿي وٺي ڳالهه ڪا ٻي، ڙي ٻيڏيون، مون کي نٿي وڻي
آءٌ نه ڪنديس، وي اهڙي، پلو ميان
ڪيچن جا مون سان ڪي
اوهان مڙن ۾، وي، مست جو ٿيڙس
پيالو عشق جو پي
اوهين مڙيئي، وي، عقل واريون
آءٌ جو بيراڳڻ ٿي
”سچوءَ“ پڇاڻا، وي، سپرين پلو ميان
ڪو ڪنديس هت ڪي

دکھ کی ماری راہ تکوں میں تیری صبح و شام
تیرے دُکھ نے پیچو کا کر ڈالا کام تمام

بھائے نہ جی کو بات کوئی، نہ بھائے کوئی بات
میں نہ بتاؤں میاں جو پیچوں نے بتلائی بات
عشق پیالہ پیا تو چھا گئی مستی کی پارات
میں تو ہوئی بیراگن، رہ گئے تم ہی عقل کے ساتھ
جینا میرا کس کارن جب پیچو نہیں ہے ساتھ

سندھ میں سمہ دورِ حکومت میں ایک سردار حسبو دھن تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ایک درویش نے دعا کی کہا بیٹی ہوگی مگر اسے کوڑھ کا مرض ہوگا۔ بیٹی ہوئی کوڑھ کی مریض، سب علاج بیکار گئے تو اسے دایہ کے ذریعے جنگل میں پھنکوا دیا گیا۔ کینجھر جھیل کے کنارے مچھیروں کی بستی کا بے اولاد کینجھر سردار کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک دینے آرہا تھا کہ راستے میں اسے دایہ مل گئی۔ جس سے بچی کا قصہ معلوم ہوا تو کینجھر اس بچی کو اپنے گھر لے آیا۔ اس کا نام نوری رکھا۔ نوری کینجھر کے گھر جوان ہوئی تو اس نے اپنے بھتیجے سے نوری کی شادی کرنی چاہی مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ نوری چاروں طرف اپنی بدصورتی کے لئے بدنام تھی، نوری کو بھی اس کا احساس تھا وہ اپنے جسم کو چادر میں اور منہ کو ہمیشہ نقاب میں رکھتی تھی ان دنوں جھیل کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر شاہ ہونڈرو نامی بزرگ عبادت کیا کرتے تھے نوری نے ان کے آستانے کی خدمت شروع کر دی، وہ ہر روز کشتی پر اس آستانے تک جاتی، صفائی کرتی، پانی بھرتی، دیا جلاتی اور واپس آجاتی۔ کئی برس گذر گئے، شاہ ہونڈرو کی وفات کے دن قریب آئے تو انہوں نے نوری کو بلایا اور پوچھا بیٹا تجھے کیا چاہیئے نوری نے مرض سے نجات حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا؛ بزرگ نے اسے سات چادریں اوڑھ کر پانی کے سات لوٹے اوپر ڈالنے کے لئے کہا، نوری نے بزرگ کے دیئے پانی سے ایسے ہی غسل کیا اور پھر شہزادیوں سے بھی حسین نوری نکل آئی۔ اس کے چہرے سے روشنی پھوٹتی تھی۔ چنانچہ پہلے بدصورتی اور اب بے پناہ حسن چھپانے کے لئے وہ ہمیشہ منہ پر نقاب رکھتی، نوری اب بھی بزرگ کی خانقاہ پر دیا جلایا تی۔ ان دنوں سندھ کے سمہ حکمران جام تماچی (رکن الدین شاہ جام تماچی ثانی ۱۳۸۸-۱۳۹۲ء) نے جھیل کے کنارے ایک ماڑی (حویلی) بنوائی تھی اور شکار کھیلنے آتا تو اس میں ٹھہرتا، ایک رات نوری بزرگ کے مزار سے واپسی پر اندھیرے میں راستہ بھول گئی، راستہ ڈھونڈنے کے لئے چہرے سے نقاب الٹ کر روشنی کی جس کی جھلک اس وقت جام تماچی کو نظر آگئی۔ اس نے وزیروں کو اس روشنی کا پتہ لگانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوری کا حسن تھا۔ جام تماچی نے نوری سے شادی کر لی، جھیل نوری کے باپ کینجھر کو دے دی جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ جام تماچی کو نوری سے بے پناہ پیار تھا، نوری کی سادگی کی اداؤں نے اسے جام تماچی کی نظر میں دوسری رانیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ نوری نے اپنا مچھیرن ہونا کبھی نہ بھلایا اور دوسری رانیوں سے تقابل میں اپنی اس عام حیثیت کو اتنی مہارت سے استعمال کیا کہ جام تماچی اسی کا گرویدہ ہوگیا؛ حسام الدین راشدی مکلی نامہ کے حواشی میں لکھتے ہیں۔ "تحفۃ الاکرام" کے مطابق اس جام تماچی اور نوری کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے مزار کے پاس ایک حجرے میں موجود ہیں۔

نُوری

تون سمو سردار، آءٌ ميئي مهاڻي آهيان؛
تنهنجي ءَ شفقت مهرجو، آهي ڪونه شمارُ
گندي ءَ گندگهرڪان، ڪيو ساري عالم عار
متي تنهن مدارُ، توساري ءَ ڪينجهر ڪيو

تون سمو سائين، آءٌ ميئي مهاڻي آهيان؛
مون لڄ رهائين، جو پائي لڳيس تا نهنجي

آءٌ ميئي مهاڻي، تون سمو ساري سر جو
قرب منهنجيو ڪهڙو جا ڻيو تو جاڻي
ڪاري سرڪنيم ڻي، پڇي ءَ ڪي ءَ هاڻي،

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو ہمہ سردار
تیری شفقت مہر کا کوئی نہیں ہے شمار
ہر کوئی دور رہے ان سے گندے گھر ہمار
کیبنھر نے پر رکھا ہے تجھ پہ دار مدار

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو ہے ہمہ سائیں
تیرا دامن تھاما ہے تو ہی لاج بچائیں

تو ہمہ سردار ہے، میں (ماہی گیر) مہانی
قربت مجھ کو بخش کے پریت مری پہچانی
میں نے بُو کی ٹوکری سر پہ اٹھائی جانی

راڄا تهنجي راڄ سان، ٿيس راڻن جي راڻي،
تو سماسيباڻي، نه ته هيس بيهودي بڇڙي

ڇوليون جن ڇڪ هيون، اڄ تيون لالين لاٿو
جُتيون جَنڙاٿو، پايون دڙن پيرَ ۾

مَڪَ برابر نه ڪريان، مانڪ موتين سان
سَموڄام سُڄاڻُ، جنهن چارو ڄام ڪُلهي ڪيو

رنگ ڪاري رُويون، هيون منڙي ملاحن جيون
سي ڪنيون ڪارڻ ۾ آڇن، دَرا ۾ ڏُويون
جت بيحد بدبُويون، اُت الله عطر اوتيا

منهن مِٽيءَ ميريون هيون، بيهوديون بڇڙيون
گُهڻ گُهڻ نوريءَ گهنگرد، ڇم ڇم ٿيون ڇيريُون
سي ڀاڳ سهاڳ ڏنيءَ، هي جي هُن هيريون

تو راضی تھا میں ہوئی رانیوں کی بھی رانی
میں بے ہودہ، بدصورت تو نے قدر ہے جانی

جن کی چولی میلی تھی مہک رہی ہے آج
ہوئیں جڑاؤ جوتیاں ان پاؤں کی محتاج

مانک موتی جانتی نہ میں مچھلی کے مول
جال اٹھا کے سمہ جام جانے تو ہی تول

ملاحوں کا جیون کیسا رنگ تھے ان کے کالے
آج آئے ہیں سر پہ اٹھائے ٹوکرے مچھلی والے
مہر خدا کی، نہیں ہے بدبو، خوشبو کے ہیں ہالے

میں مٹی کی مورت تھی نہ روپ تھا نہ کوئی رنگ
اب نوری کے گھونگھرو چھنکیں چھن چھن پائل سنگ
میں سمے کی سہاگن ہوں اور سمہ میرا انگ

لوهاڻيون لوڙيون ، پارس سڳيون سون ٿيون

ٻهه ڏوڏا جن ڏاجُ ، ڦوت جنين ڪمُ ڪوٺيون
انهن جو احتياج تو تماچي ڪيئڏو ڪيو

نوري ۽ ڪيو نازُ ، ٿي ريجها ٿي ڏاوَ ڪي ،
نت نت جام نيازُ ، تو آچيو انهن جو ڪري

تون تماچي جامُ ، آءٌ ميڻي مهاڻي آهيان
ڏنو تو آرامُ ، ڪينجهر ۾ ڪنڌين کي

پَلئه مون پاتو ءِ ، تون راڄا لڄَ رها ٿيين
سماسُڃا تو ءِ ، ڪامل پنهنجي قرب ڪي

تون سمو سُلطان ، آءٌ ميڻي مهاڻي آهيان
تون مون ڏنهن مهربان ، مون ڪيهي ڪاڻ ڪرمُ جي

مُڪ برابر نه ڏيان ، تو ڙي پَرين موتئين ماڻ

لوہا میرا سریر تھا ہوگیا سونا پارس سنگ

جھیل کے بُوٹوں کے جڑ ڈوڈے جن کا تھا کبھی داج
جام تماچی دیکھو ان کا ہو گیا خود محتاج

راؤ کو رجھائیں پل پل اب نوری کے ناز
جام تماچی نت نت آن اٹھائے ناز نیاز

تو تھا جام تماچی میں تھی (ماہی گیر) مہانی
تیرے دم سے سکھ میں کینجھر جھیل، کنارے، پانی

میرے گلے میں ڈال کے پلو راجا نے پہچانا
میں سمہ! تیری لاج ہوں میں نے بھی یہ جانا

میں ہوں (ماہی گیر) مہانی تو سمہ سلطان
کیا پرواہ کسی کی، گر ہو تیرا کرم ہر آن

مچھلی سے برابر ہیں کب موتی کے تھال

ڇو مون ڪميٽي ۾ ڪاڻ، ڇارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

مَڪَ موتين تي نه ڏيان، توڙي هُئن ياقوت پيات
ڪو جهي مان ڪم ذات، پر ڄارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

مهاڻي ۾ جي من ۾، نه هو گيرب گاهُ
نيڻن سان ناز ڪري، ريجها ياڻين راهُ
سمو سينهي ڪانهُ، وَڻي وڻي پاڻ سان

پَلڻي لڳي آهيان، آهيان اَياڻي،
سمي سُڃاڻي، ڄارو ڄامَ ڪُلهي ڪنيو

فارغ ٿِيَن نه فراق کون، ويجها ڪين وصال
گم ٿِيڻُ کُوَن گم ٿيا، نڪا سرت سنڀال
اَڳي تيل نه تال، "سچو" صُمٌ بُڪمٌ ٿيا

جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مچھلی نہ دوں، ہوں چاہے موتی ہیرے لال
جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مہانی (ماہی گیر) دغا نہ کوئی کمایا
آنکھوں کے سو ناز تھے جن سے دل کے رجھایا
ساری رانیوں سے چھینا، اپنے پاس بٹھایا

دامن تیرے میں لگی، میں بھولی انجان
جال اٹھایا سمہ نے اور مجھ کو لیا پہچان

نہ فارغ میں ہجر سے نہ ہی قرب وصال
غرق ہوئے تو غرق ہوئے گم بھی ہوئے کمال
صُمّ بُکمّ بیچو ہے وہاں نہ قیل نہ قال

یہ کہانی عمر ماروی کے نام سے مشہور ہے اور سندھ کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اپنی شاعری کے لئے اس کہانی کا کسی نہ کسی طرح سہارا نہ لیا ہو، تھر کے ایک گاؤں میں مارو قوم کے لوگ رہتے تھے ان میں ایک شخص بالنہ تھا جس نے ایک خوبصورت رتھ بنایا۔ جسے ہرن کھینچتے تھے وہ اسے ننگر پار کر کے راجہ پھول کے پاس لے گیا۔ راجہ نے یہ رتھ اس سے مانگ لیا مگر بالنہ نے کہا کہ اس نے یہ رتھ کسی اور بادشاہ کے لئے بنایا ہے اس لئے وہ اسے دوسرا رتھ بنا دے گا۔ راجہ پھول نے بالنہ کو اپنے محل میں مہمان رکھا مگر رات کو بالنہ کو خیال آیا کہ راجہ اسے مروا کر یہی رتھ نہ لے لے۔ چنانچہ وہ رات کو رتھ لے کر بھاگا۔ لیکن آدھی رات کو رتھ میں سے ایک عورت نے اسے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ یہ عورت راجہ پھول کی رانی ماڈونی تھی۔ جس سے راجہ کسی بات پہ ناراض تھا۔ رانی کے بچہ بھی ہونے والا تھا۔ وہ دراصل اپنے محل میں سیر کر رہی تھی کہ اسے باغ میں کھڑا رتھ خوبصورت لگا وہ اس میں بیٹھی اور سو گئی اور اب بالنہ کے ساتھ تھی، بالنہ بھی واپس جانے سے ڈرتا تھا اور رانی کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملیر آ گئے جہاں ماروی پیدا ہوئی۔ بالنہ نے رانی ماڈونی کو بیٹی بنا لیا تھا۔ بالنہ نے ایک لاوارث بچہ پھوگ پالا تھا وہ جوان ہوا تو خوبصورت ماروی پہ عاشق ہو گیا اظہار عشق کیا تو ماروی نے جھاڑ دیا۔ بالنہ نے ماروی کی نسبت اپنے رشتہ دار کھیت سے کر دی۔ پھوگ جل گیا اور ملیر چھوڑ کر عمر کوٹ آ گیا اور بادشاہ عمر سومرو (تحفۃ الکرام کے مطابق وفات ۷۵۲ھ یا ۷۹۳ھ) سے ماروی کے حسن و جمال کی بے پناہ تعریف کی۔ عمر بھیس بدل کر ملیر پہنچا۔ پیاسا مسافر بن کر ماروی کو سانڈنی پر ڈال کر اپنے محل میں لے آیا۔ ماروی نے لالچ اور پیار دونوں کو نامنظور کیا۔ قید میں ڈالی گئی، مگر خانہ بدوش ماروؤں کو نہ بھلا سکی۔ عمر کی دایہ نے ماروی کو پہچان لیا کہ یہ اسی خاتون کی بیٹی ہے جس کا دودھ عمر نے پیدا ہونے کے بعد پیا تھا کیونکہ عمر کی ماں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ دایہ نے عمر کو یہ بات بتائی۔ تو عمر نے ماروی، بالنہ اور کھیت سے معافی مانگ لی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ماروؤں کو ماروی کی پاکدامنی پر شبہ تھا مگر ماروی چار بار جلتی آگ پر سے ننگے پاؤں گذری تو جب اس پر کوئی آنچ نہ آئی تب اس کے ماروؤں کو اس کی پاک دامانی کا یقین ہو گیا۔ اس طرح ماروی اور کھیت کی شادی ہوئی۔

ماروی

سنڌيم اَڄ سنگهارُ، جن ڏٺي مون ڏينهن ٿيا
سي لَڪَ لنگهي پيهي ويا؛ پانور منجهه پنهوار
هٿين وينا پَڪڙا هُتِ سُڪِ ٿِي اجڙ دار
جن جي ساهه سنڀار، سي اَڄ پنهوار پري ٿيا

اڀيا ڪالهوڻ ڪالهه، هُيَس مارن گڏ ملير ۾
سي ڏينهن ويڙا گذري، جڻ منجهه خواب خيال
اڄ پريئَن ڪندئين پڪڙا، جوڙي ويٺا جال
جن جي ساهه سنڀال، سي اڄ پنهوارَ پري ٿيا

دیکھے میکے والوں کو، دن گذرے، کر لیں یاد
ٹیلے چیر کے پہنچے ہوں گے جو پانور آباد
جھونپڑے ڈال کے بیٹھے ہوں گے وہ بیضوار آزاد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

کل کی بات ہے ماروؤں سنگ ملیر میں تھی آباد
وہ دن یوں گذرے ہیں جیسے خواب کی ہو روداد
بیٹھے ہیں اس پار وہ جھگیاں ڈال کے، ہیں آباد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

ٿيا پنهوارَ پري، آڌُکن کي ڏورا پيا ڏيان؟
اُنهن پاڄهوُن مارُئي، ٿي ميان هِتَ مَري
نٿين ٿبَرَ ڪري، ڪو اوڏي اباڻَن ڪيُ

جي پڪن پوءِ پيام، سي تا ڏکيا ڏينهڙا
هيٺن نه پاڻُ ڪاهيم، تا ڪي هيٺن ڪندام
پر وجي ٿر ٿيام، سي سُڌ لهَندڙ سومرا

جي لوئِنُ ڍڪي لوءِ، ڪنڌهن ايندا آئِڙي
اَڄ هٿي پڪا پانوَرين، عُمَرَ ويناوءِ
تن پنهوارن پوءِ، موٽي اچڻ نه ٿيو

جيڪس سنگهارن، اُهو ڏيهه وٽي ويو
دري هيج ڏرن، جي سانگن ڪو سانگُ پيو

جو ڏاڏاڻو ڏيهُ، مُون نهوُن مور نه وسري

دور پنھوار ہوئے ہیں کس کو اپنا دُکھ بتلاؤں
ان کی خاطر ماروی ہیں، یہاں پل پل مرتی جاؤں
لاؤ بلا میرے میکے والے، قبران سے ہٹواؤں

بچھڑکے میکے والوں سے آئے دُکھ کے دن ملول
ایسی توقع بھی تو نہ تھی جائیں گے مجھ کو بھول
میری خبر تو لینے والے، بسے ہیں تھر کی دُھول

لوئیاں لے کر آنے والے وہ میرے چرولے
عمر وہ جھگیاں ڈال کے مجھ سے کتنی دور ہیں بیٹھے
وہ میرے پنھوار جو اب تک لوٹ کے بھی نہیں آئے

شائد میکے والوں کو وہ دیس گیا ہے بھا
شائد وہ پھر لوٹ آئیں یہاں برسے جب برکھا

بھول نہیں سکتی میں پل بھر اپنا میکا دیس۔

سو ڏاتر لَٽَ ڏيکارمُون، سومرا ساٽيهُ
ڏي ڏِينهوارن پَرَڏيهُ، هي ڏُمڙيوئي پائيان

وس نه وساريام، سُرها وَڻَ ساٽيه جا
آهي هيڪند ڏينهڙا، تي گَڏ جي گذاريام
ياد ڪيون سي ڪيترو، سانگي سنڀاريام
اوڏنهن آڏاريام، ڪَل نَهَڻ لٽ ڪانگڙا

هيس ڪير مليرم، هِت ٿي آيَس ڪير؟
جيڪُس پيڙم پيس، فقط لڳ فِراقَ جي

ڪاٿي آڻُ هُياس، ڪاٿي آيَس سومرا؟
هُتان هِلي هِت اچي، پورَن مِنجهه پياس
هنجن هابُ ڪِياس، وڇوڙي جي ڏينهڙي

مون کي رَبُ رکي، شل پَرديسان پناهَ ۾

سومرا مجھ کو دکھلا دے اک بار تو میرا دیس
مجھے پنھواروں بناں ہوا ہے دیس اپنا پردیس

بھول نہ پاؤں اپنے دیس کے مہکے ہوئے اشجار
اُن سنگ، ان کے سایوں میں اک جیون دیا گذار
یاد کروں بوٹوں کو تو یاد آئیں اپنے سنگھار
ان کی خبر لینے کل کاگا بھیجا ہے اس پار

کیا تھی میں ملیر میں یہاں آ کے بن گئی کیا
ہجر فراق نے کیسا کیسا فرق کیا پیدا

میں تھی کہاں اور اب ہوں کہاں سن سومرا اے سردار
وہاں سے چل کر یہاں جو آئی دُکھ کی ہے یلغار
ہجر کے دن ہیں اور آنکھوں سے پھوٹ رہی ہے دھار

یارب رکھیو پردہ میرا دیجیو مجھے پناہ

۱۴۷ـ

ته هتَان منجهه پکي، عُمرَ اِباڻَن جي

پَلَڪ نه ٿيان پاسي؛ ٿل عمر اباڻن ڪوڻ؟
گڏ گڏ ڏين ها سي، سين سان سي سومرا!

ڪاڏي اَڄ رهي، آءُ ڪاڏي اَباڻان؟
هاڻي نه ڄاڻان، ته ڪا موٽي ملنديس مارئين

جهانگيڙن لَءِ جيءُ، هِت عمر آهه اُباڻڪي
نئين گڏ اُڄ اُن سان، حال منهنجو تا هيءُ
سانگيڙن ۾ سيءُ، آهه اياڻو ٿي تانهنجو

پري ٿين نه شال، هُتَن اوڏا ٿِي اَجَڙ يي!
اُتي ڏيني اُن ڄبا، اُتم خواب خيال
سدا سانگيڙن جي، مون کي ساه سنڀال
هِت مون ههڙا حال، هُت عتاب اُنهن جا

میکے والوں کی جھگیوں میں عمر بسوں میں جا

عمر نہ بچھڑوں میکے والوں سے میں پل دو پل
سو مرا میرے سنگ تھے وہ میں ان کے سنگ تھی کل

آج کہاں پر میں ہوں اور مارو ہیں آج کہاں
یوں لگتا ہے ان سے ملنا وہم، خیال، گماں

عمر اداس ہوں ان کے لئے جن کا جنگل ہے باس
مجھے ملا دے جاکر ان سے میں ہوں آس نراس
میرے سنگیوں پر ہے آج بھی تیرا خوف ہراس

شالا مجھ سے دور نہ ہوں وہ سدا رہیں مرے پاس
اٹھتے بیٹھتے مجھ کو ان کا خواب خیال قیاس
یاد کروں پل پل سانگھیڑے اور بندھاؤں آس
یہاں مرا یہ حال وہاں پر ان کو سو دشواس

عمر آباڻن ري، آءُ تان کو جهي آهيان
هي ءَ لوئي نه لاهيان، جا آهه نشاني اُن جي

ريگستاني راڄ جي، آءُ ڳالهه ڪريان ڪيهي
ڪن پچاردن پاڻ ۾ ، سي واري ءَ تي ويهي
ته "ايندي ماروئڙين مارئي، ٿل پڪن ۾ پيهي"
اُڪنڊ مون ميلاپ جي، آهه جهانگن کي جيهي
منهنجي تن تيهي، آهي سِڪ سنگهارن جي

جهانگي جهڻ پياڪ، تا هن شربت هيرا ن
ڳاڙهيون ڪاريون لوئيون، پهرڻ تن پوشاڪ
لاهيج لوئيڙن تان ، الله لِڪِ اولاڪ
جو رکن هڏنهن ڪانڪا، عمر ٻي اِملاڪ
ڪارڻ پروردگار ڪ، مون کي ميڙئين مارئين

عمرؔ بِناں میکے والوں کے میں بدصورت ہوں
چادر ان کی نشانی ہے سدا اپنے سر پہ رکھوں

ریگستان کے رہنے والے رآج کی بات بتاؤں
ریت پہ بیٹھ کے جو کرتے ہیں باتیں وہی سناؤں
''اک دن ماروی آ جائے گی واپس اپنے گاؤں
ان جھگیوں میں ماروی اک دن پھر رکھے گی پاؤں''
جتنا ملنے کو میں تڑپوں اس سے سوا انہیں پاؤں

تیرے شربت کو کیا سمجھیں لسّی پینے والے
تن پوشاک ہیں سرخ اور کالی شالیں اور دوشالے
عمرؔ خدا کا واسطہ ان کے دل سے خوف ہٹا لے
لسّی لوئی کل جاگیر ہے ان کی، پھریں سنبھالے
مجھے ملا دے، رب کا واسطہ، لسّی لوئی والے

مينهن وسندي مان ، ويٺر هيچن ويندياس
لوئي سياڱين لوڙ جي ، ٿال وڻي نينديياس
ڍڄي ٿر ٿيندياس ، ڏک سُک پيا ئي سومرا

ريگستانن رنگ ، جي تون پسين سومرا
ته ميان ماروئڙن تون ، ظالم لاهين زنگ
جو تاڪون تهنجي تاب ڪئين ، جهانگي واس جهنگ
ناميا هي تون ننگ ، نيئي ڏساٽين راڄ ۾

مينهن وسندي مون ڏٺا ، هي پڪا پنهوارن
ڳاڙهيون اڇيون لوئيون ، ڪيا سهڄ سنگهارن
اُهي عام خلق ڪئن ، تا گوشي گذارن
منهنجي اچڻ سنديون ، تا راتان نهارن
سانگيڙا ساٿيه ۾ ، پيا نت نت سنڀارن

ماروؤں سے ملنے جاؤں گی جب ہو گی برسات
لسّی لوئی لے کر ان کے ہاتھ میں دوں گی ہاتھ
سومرا میں مقر جاؤں گی مرا دکھ سکھ ان کے ساتھ

سومرا اگر تو دیکھ لے ریگستان کے رنگ
ظلم سے روکے ہاتھ تو دل نہ ہو ترا سنگ
مارو تیرے خوف سے جا چھپے ہیں بیلے جھنگ
مجھے حوالے ان کے کر، میں ہوں ان کا ننگ

مینہ برسا تو میں نے دیکھے جھگیوں میں پنھوار
لال اور کالی لوئیوں سے سینگھارے کریں سنگھار
خلق سے ہٹ کر گوشے میں جو جیون دیں گذار
میں کب اُن تک جاتی ہوں میری راہ تکیں ہر بار
نت نت مجھ کو یاد کریں میری خاطر کریں پکار

هي ڳالهيون تيون ڳارن، موں کي ماروئڙن جون

کوجو وريو وائُ، اَج پڻ مُلڪ مَلير ڏنهن
جَنِ آيم اَباڻاڻُ، ماڻهو موتائيڻ جو

لَٿو ڦوڙانئو، ورديو ورق وصال جو
وري وطن آئيا، ريگ لنگهي راڻو
”سچُو“ پَوَ ي ساٿو، تيو موٽي مُلڪ مَلير جو

سدا هتِن سُکيا، مارو ٿَرا ته مَلير ۾،
شَلُ نه ڏينهن ڏکيا، آڇن اَجڙين تي

سدا سَرها هونِ، مارو ٿَرا ته مليرِ
متي پنهوارن پون، مِهر جا شَل مينهڙا

مياں ماروئڙن تي، مِهران وسن مينهَن
شَلُ نه ڏکيا ڏينهن، آڇن اَجڙين تي!

ماروؤں کی یہی باتیں مجھ کو جان سے گئی ہیں مار

ملک ملیر سے آج تو ایسی ٹھنڈی چلی ہوا
کوئی مجھ کو لینے آیا ، میں نے یہ سمجھا

وصل کا آیا باب گیا وہ ہجر سماں دلگیر
اپنے دیس میں مارو آئے ریت کے ٹیلے چیر
سچ کہے سرسبز ہوا ہے پھر سے ملک ملیر

مارو رہیں ملیر میں سدا ملے انہیں سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

مارو رہیں ملیر میں سکھی سدا رہیں
اور پنھواروں پر ہوتی رہیں مہر کی بارشیں.

برسے میرے ماروؤں پہ بارش کا ہر سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

سداسي ساٿيهه ۾، سُکيا هُئن سنگهار
پکي مَنجهه پنهوار، سَل هُئن هميشه سَرها

سائين سنگهارن جو، ڏکج پَن پکي
کولڙي تانه لڪي، هُئن سَدا ائين سَرها

سنگهاري ساٿيهه، سَل هُئن سَدا ائين سَرها
وڃَن نه پرڏيهه، ڏوش گذارن اُتهين

جاتي واري دَ ڏِنو، تا تي اڏن پکڙا
ياڳين لَٿا پَو، سدا رهن او سَرها

وري وسايو، مالڪ مُلڪ مليرجو
سوانگي کون اُجرو ٿيو، سائو سَوايو
آڳي اگهايو، "سچو" جو سوال ڪيو

ايئان ڪِئون ڪنوٽيُون، تہ سانگين ساهہ پوي

میکے والے خوش رہیں اپنے دیس سدا
مارُو اپنی جھگیوں میں سُکھ سے دیں بِتا

سائیں میکے والوں کی جھگیوں کی تو لاج
دُکھی ہوں نہ، سُکھ بسیں جب تک تیرا راج

میکے والے خوش رہیں سدا ہی اپنے دیس
خوش گذران سدا ہو ان کی جائیں نہ پردیس

ریت کے ٹیلے جہاں بھی ہوں وہاں بنائیں گھر
چرواہے سدا خوش رہیں، رہے نہ کوئی ڈر

ملک ملیر میں مالک نے پھر بارش برسائی
پھرا ڈھل گیا دیس کا ہریالی لہرائی
سچی پوری ہو گئی لب پہ دعا جو آئی

بجلی چمک رہی ہے آئی ماروؤں میں بھی جان

وَسي ترتارِ ڪَنَ، نيَون ۽ نئون ٽِيونَ
جاتي هُتَن جو ٽيون، تاتي آجڙي آرام ٿيا

مون ڪُون وسِرن ڪِينڪِي، اُهي عُمر ويلڙيُون
چاريم وڏي چاه مون، تِي چيلاءِ چيلڙيُون
تِي ڪيڏيم ڪيلڙيون، سرتِن سان سائيهءِ

اوَس اڏَن سومرا چو ڏادي ڇپَئُنرا
تَن ۾ سانيي رکن ساميهان، ڏٿ ڀَهون ڏڏُنرا
ڏَکَ ڏکي ڏڏُنرا، صبح ڪاٺن خوش ٿِي

ڪَرُبين ڇِو ڪِلان، سانگِيڙن تي سومرا
سارهه سوڙِن تي، لاهه نو ڪان آٿُون ٿهلان
هِي جِي موٽن جون مِهلان، تي محلن منجهه گُذاريُون

مون جاليو سان جَنَ، مو تِي تن نه پُڇيو.

بھر جاتے ہیں تال تلیا مینہ برسے جس آن
دیکھ کے پانی ڈیرے ڈالیں مارو میری جان

کیسے بھلا دوں میں سماں جو بیت گیا
گلہ بھیڑوں بکریوں کا میرے آگے تھا
میں سکھیوں سنگ کھیلتی رہتی تھی سدا

وہ بنائیں جھونپڑے سومرا اے سردار
جنگلی پھل پنیر سنبھال کے رکھیں وہ ہر بار
صبح سویرے کھائیں گے خوش ہو ہو پنھوار

میرے سانگھیڑوں کو سومرا طعنے کیوں دیں لوگ
کر آزاد مجھے مٹ جائیں ان کے سارے روگ
تیرے محل میں موتیوں سے پل میں نے کاٹے جوگ

جن سنگ جیون میں نے بتایا پوچھیں نہ میری بات

خال هن جون خيران، پيرن هوندين ڪَنِ
تان پيي مارو مَن، وارُ نه ڪڏنهن وِسريا

توڙي هونه پُڇن، آءٌ گهڻو پُڇان تن کي
عُمر آءٌ مڇُڻُ، تن ڪوَن ڏيان وسري

اڄ سنگهاريي ساريا، مون مِينهَن وسندي سومرا
ڳوڙها ڳاٽانئي ڀنا، هِن هَنجُن مون هاريا
ياد ڪريندي تن کي، يارڻ ڄَڻُ ٻاديا
هِت "سَچوءَ" سَنياريا، هُت سنيار "سَچوءَ" جي

عُمر اَڃا ڪيتِرا ڪاٽياريُون ڪَن ڪيئَن؟
جهِڙي آيَس جيئَن، شل تِهڙي مارُن ڏي وڃان!

ڪيئَن ڪاٽياريون ڪَن، ڪيترا اڃا عُمر ڄام؟
ٿيِن پنهواريون پَٽ ۾، مِهڻي هاب مُدامَ

خبرا نہیں بھی ہو گی جو کچھ بیتی ہے مرے ساتھ
اک پل میں تو بھول نہ پاؤں ماروؤں کے حالات

بے شک میری بات نہ پوچھیں، میں پوچھوں ہر پل
عمرؔ نہ دن آئے ہو جائیں آنکھ سے وہ اوجھل

دیکھ برستی برکھا کو مجھے مارو آ گئے یاد
ہار پروؤں اشکوں کے سن اشکوں کی فریاد
آگ سی من میں بھڑک اٹھی جب آئی اُن کی یاد
سچو ان کو یاد کرے وہ کریں سچو کو یاد

اُجلے کپڑے ان کے کب ہوں جن کے عیب ہزار
عمرؔ میں آئی جیسی، ویسی جاؤں ان کے دوار

عمرؔ نہ اُجلے کپڑے پہنیں جن کے عیب ہزار
ماروؤں کو میری خاطر طعنے دیتا ہے سنسار

آهيان سومرا تو سام، ته لوئي ۾ جي لڄ رهي

هن لوئي ۾ جي لاڄ، شال رهجي اڄي سومرا
ته مر پُنڌي خوش ٿيون، ريگستاني راڄ
سانئه ڪائي ڪاڄ، جا قيد ڪئي تو ڪوٽ ۾

روئان زارو زار، يار، مان مارن کي ملان آءُ
ڏيان ڏوراپا ڪن کي، پري ٿيم پنوهار، يار
ڏٺي ويئا پاڻ سان، منهنجو ساهه سنگهار، يار
اهو اٿم آسرو، ايندم اڄ وار، يار
ڪندا مهرَ مليرَ ڏي، رڻ چڏي ريدار، يار
سو دم ڪو نه گذري، جو دم اُن ري ۾ ڏار، يار
پيڪن مون پهچائين، سومرا سردار، يار
راتو ڏينهان اوڏهين، "سچو" ساهه سنيار، يار

میں ہوں امانت، لاج لوئی کی رکھنا اے سردار

سومرا رہ جائے، رب چاہے، اس لوئی کی لاج
یہ سن کر کتنے خوش ہوں گے ریگستانی راج
تیری قید میں شاہی کھانا، کھایا کل نہ آج

روئی زار و زار، ملیں میرے مارو یار ہو یار

دکھڑا کسے سناؤں میں دور ہیں میرے پنھوار ہو یار
اپنی جان کے ساتھ ہیں جو ہیں مرا سنگھار ہو یار
آئیں گے، مجھے آس ہے، میرے پہریدار ہو یار۔
پلٹیں گے وہ ملیر کو، چھوڑ کے وحشت زار ہو یار
مارو بناں ہر سانس مری سانس ہے یا تلوار ہو یار
میکے کو بھجوا دے سومرا اے مرے سردار ہو یار
تجھ کو دن رات ہے ان کی سانبھ سنبھار ہو یار

اوڏاهون آيا، مون ڏي عتاب، اَبا ٿن جا
هي ڏيهه ويڙهه وسري، اِتي ڏينهن وڃي تولايا
ياداسان کي ڪين ڪيڙ ٿي، مُنجهائين ءَمايا
ڏينهن اسان دي ءَ گذري، ويڙ ٿي سب اَجايا
گهٽامينهن مَلير ڏي، والي ءَ دري وسايا
تُنهنجي ڏسڻ لئہ، هِت سانگي سِڪايا
سائين ءَ ”سچو“ سگهڙا، مون کي مارد ملايا

ڪانگڙا قريبن جا، توکي ڪالهہ اُڏايو ڪن
وَنئون ويڙهيچن
آسردندي آهيان، مَن ڪو پيرو ڪن
وَنئون ويڙهيچن
پڪا پڪن سامهون، اوڏامان اَڏنِ
وَنئون ويڙهيچن
”سچو ءَ“ جي به سَرِيَرِم، دونهان رونِد ڪن
وَنئون ويڙهيچن

میکے والوں سے آیا، مجھے غصّہ بھرا سندیس
کتنے جگ تجھے بیت گئے وہاں اپنا دیس بھلایا
ہمیں نہ تو نے یاد کیا، مایا نے تجھے اُلجھایا
ہم سے دُور جو گذرے ہیں دن ہوئے وہ تیرے ضائع
رب نے آن ملیر پہ دیکھو کیسا مینہ برسایا
اس برکھا نے ماڑوؤں کو کس کس ڈھب سے ترسایا
سائیں سچو نے کرم کیا، مجھے مارو آن ملایا

اے کاگا رے ساجن کے، کل کس نے تجھے اڑایا
مارو دیس سے آیا
آس لگائے بیٹھی ہوں، ابھی آیا، کوئی آیا
مارو دیس سے آیا
آئے بنائے کُٹیا سامنے، میرے دیس کا جایا
مارو دیس سے آیا
سچو تیرے سر پہ سے اُٹھ کر دھؤاں سا جو لہرایا
مارو دیس سے آیا

میرا پور ماتھیلو پرگنہ میں راجہ نند کی سات بیٹیاں تھیں سب سے بڑی سومل اور سب سے چھوٹی مومل۔ سومل سب سے عقلمند اور مومل سب سے خوبصورت، راجہ نند نے ایک قیمتی اور طلسمی ہار مومل کو سنبھالنے کے لئے دیا مگر اس نے ہار ایک جادوگر ستیل کو جو جوگی بن کر آیا تھا دان دے دیا۔ جادوگر نے اس ہار کی مدد سے راجہ نند کا خزانہ اڑا لیا۔ راجہ سخت پریشان ہوا۔ سومل نے باپ کو تسلی دی اور مومل کے شہرۂ آفاق حسن سے فائدہ اُٹھانے کا مشورہ دیا اور کاک ندی کے کنارے ایک طلسماتی محل بنایا۔ سب ولایتوں کو کہلا بھیجا کہ جو راجہ محل میں مومل تک پہنچ جائے گا اس سے شادی کرے گا اور جو نہیں پہنچے گا وہ اپنا سارا خزانہ محل والوں کے حوالے کر دے گا۔ بے شمار شہزادوں نے قسمت آزمائی ناکام ہوئے کچھ مارے گئے کچھ جوگی ہو کر جنگلوں میں بھٹکتے رہے ایک ایسا ہی جوگی عمرکوٹ کے سومرو حاکم ہمیر (تحفۃ الاکرام کے مطابق وفات ۷۴۳ھ) کو ملا جو اپنے وزیروں رانو، جیند ھرا ڈنورا اور سنھڑو کے ساتھ شیر کا شکار کرنے نکلا تھا۔ ہمیر کو مومل حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔ چاروں کاک محل پہنچے۔ ہمیر، ڈنورا اور سنھڑو ناکام رہے رانو کاک محل کی بھول بھلیاں خوفزدہ کرنے والے طلسم اور عقل کے داؤ پیچ سے گذر کر مومل کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ واپس ہوا تو ہمیر حسد سے جل گیا مگر راجہ کے ڈر کے باعث رانو نے کہا وہ کامیاب نہیں ہوا وہ واپس عمرکوٹ چلے گئے مگر رانو اداس رہنے لگا۔ راجہ ہمیر کو بھی پتہ چل گیا کہ رانو نے جھوٹ بولا ہے بہرحال جب رانو نے اصرار کیا تو ہمیر نے مومل کو دیکھنے کی خواہش کی اور رانو کے ساتھ چرواہے کے روپ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا کاک محل پہنچا تو اسے مجبوراً گائے دوہنی پڑی واپسی پر ناراض ہو کر رانو کو قید کر لیا جسے اس کی بہن کھلن نے جو ہمیر کی چہیتی رانی تھی آزاد کرایا۔ اب رانو نے ایک ایسے اونٹ کا انتظام کیا جو عمرکوٹ سے ایک رات میں کاک محل جا کر صبح تک واپس آ سکتا تھا۔ سو کوس کا یہ فاصلہ رانو ہر رات طے کرنے لگا مگر راجہ ہمیر کو پتہ چل گیا اس نے اونٹ مروا دیا۔ رانو کو اسی نسل کا ایک اور اونٹ مل گیا۔ راجہ ہمیر کے علاوہ مومل کی بڑی بہن سومل کو بھی رانو اور مومل کی شادی پسند نہ تھی چنانچہ اس نے ایک روز ایک چرواہے کو تیار کیا جس نے رات کے وقت آتے رانو سے طنزاً کہا کہ مومل ستیل جادوگر سے عشق کرتی ہے جو آج رات آیا ہوا ہے۔ سومل اس رات مردانہ لباس پہن کر مومل کے ساتھ لیٹ گئی۔ رانو نے یہ منظر دیکھا تو اسے چرواہے پر اعتبار آ گیا وہ مومل کے پاس اپنی نشانی چھوڑ کر عمرکوٹ واپس چلا گیا، مومل جوگن بن کر عمرکوٹ میں رانو کے محل کے سامنے رہنے لگی۔ جب رانو کو پتہ چلا تو اس نے اب بھی مومل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مومل نے چتا جلائی رانو کو یقین ہو گیا کہ مومل بے گناہ ہے مگر جب وہ مومل کے پاس پہنچا تو مومل آگ میں کود چکی تھی، رانو بھی بے خطر اس آگ میں کود پڑا شمع محبت کے دونوں پروانوں کا یہ انجام تھا۔

مومل رانو

آءُ راڻا ڏي رنگُ، موٽي ڪاڪ ڪنڌن کي
لاهِج لڳهِ خداءِ جي، ذرو پُرزو زنگُ
ناميان پاڙج ننگُ، مهٽي هاب مٽان ڪرين

مومَل مهٽي هابُ، راڻا ڪرنه راءَ تون
جوئن کي جوابُ، مرد نه ڏين ميندڙا

هِڪُ جُوءِ ٻِي جرءِ، ڇڏن ڪين جوان
اُهي ئي انسان، جي ننگن تي نِثارُ ٿيا

ڪاٽِي ءَ ري ءَ کهي ڇڏيو، راڻا تنهنجي رنجَ
سُکون ءِ سَهنج، سودا ساڻ ڪٽين وٽين

آ رآنا آ کاک کنارے اپنے رنگ میں رنگ
نام خدا اس من سے دھو دے جو ہے اس پر زنگ
مت دلوانا طعنے مجھ کو رکھنا نام اور ننگ

راؤ اپنی موّمل کو تو طعنے نہ دلوانا
مرد نہیں جو چھوڑ کے جائے اپنی بیوی رانا

زن، زمین نہ چھوڑ کے جائیں مرد ہیں جو جی دار
اِک وہ تھے جو اپنے ننگ د نام پہ ہوئے نثار

ترے رنج نے چھُری بناں مجھے کیسا رکھ دیا کاٹ
راَناَ، میری خوشیاں لے کر گیا ہے تو کس گھاٹ

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، ويا اڏو ٻَنڌ
ٻڌجي رهيا اُن هَنڌ، جت ”مون تون“ آهي ڪانڪا

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، وڌي نَديل ٻِيا
لُڏاڻون لنگهي ڪري، ڪنهن پرٿين پنڌ پيا
اُتي تاڪ ٿيا، جتي ”مون تون“ هُڌ نهن ناه ڪا

لَنگهيا لُڏاڻو، اُتون ڪاڪ ڇِڏياڻون پوءِ تي
تاتي وڃي رسيا، جا تي مومَل نه راڻو
نَڪا مَسجد تَڪيو، اُت نَڪو تِڪاڻو
تاتي ٿِيُن تاڻو، جتي ”مون تون“ ناهِ ڪا

ڪاڪ لُڏاڻو لنگهيا، آجَ لاهو تِي لال،
اوري هَنڌ نه اُتِڪيا، ٿِيا پرٿين خيالُ،
حدون ڀِڃي هليا، جن کي حد ڀِڃا ٿي حالُ،

جوگی پوچھتے کاک کا پہنچے ہیں اُس جا
جا پہنچے جہاں "میں" "تو" میں سے کوئی وہاں نہ تھا

جوگی پوچھتے کاک کا نکلے صبح سویر
پار لنڈانہ کر گئے ذرا بھی کی نہ دیر
وہاں پہ "میں تو" کوئی نہیں تھے، دیکھو تو اندھیر

کاک کو پیچھے چھوڑ کے گذرے شہر لنڈآنہ
وہ پہنچے جہاں موکل ملی، نہ ان کو ملا ہے رآنا
وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ مندر کوئی ٹھکانہ
"میں تو" وہاں پہ کوئی نہیں تھے، ختم تھا یہ افسانہ

پار لنڈآنہ کر گئے وہ لاہوتی لال
رُکے نہیں وہ پل بھر کو پار کا انہیں خیال
حد سے بے حد میں پہنچے اور بھولے اپنا حال

تن سرت نه ڪا سنڀال، رهي ويچها تيا وصال کي

جوڳي آهن جي، گوش گنگا ڏي تن جو
آهن ڪوڏيا ڪاتَ جا، پڻ ڪا پڙي ڪي
سر سنباهن سي، جنين ناتو نات سان

جوڳي جال ٻُجهن، پر ڪونه لهان ڪو ڪا پڙي،
تن ڪَنِ پرين جيون ڳالهڙيون، تيون سچل ساه سُجهن
لوڪ نه پيئي لَجهن، پکڙ نالي نات جي

جوڳي آهن جال، پر لاهو تي لنگهي ويا
هي مڻ مڻ ڪن منٿين سين، هو ڪترا متي خيال
سي لانگوٽيا لال، پيڪر پاڳ ملن مُون

جوڳن آهه نه جنگ، هن سلوڪي سپ سان
جيجان هن جهان ۾، هن طريلا تنگ

'تن من بھولے تب ملا ان کو وصل وصال'

کچھ جوگی ہیں ان کے دھیان میں ہر دم گنگا جل
کچھ جوگی تلوار سے سر کا سودا کریں سپھل
ناتھ سے ان کا ناطہ ہے جو ٹوٹے نہ کسی پل

کتنے جوگی دیکھے ہیں پر ملا نہ اِک گنوان
جس کی باتیں سچل کی سانسوں میں بسی ہیں آن
ہر دم ناتھ کا نام ہی ان کے وردِ زبان

کتنے جوگی دیکھے پر لاہوتی پہنچے پار
ان کی من من منکوں پر، اُن تن لنگوٹی دھار
دھن بھاگ ہمارے ہیں جو مل جائیں ایسے یار

جوگی پیار کریں سب سے نہیں ان کی کسی سے جنگ
سر پر چیرا ٹیڑھا ہے ہیں بانکے ان کے ڈھنگ

ڪنهن جي رتا رنگ، ماڻڪ منهن مشعلان

پُورب پنڌ نه آهه، ڪڏهن ڪاپڙين کي
چت ما لٿهن ميڙاڪو نٿي، ساجُونئي جوڳن جاءِ
سامِي سِر سَواءِ، سود وڪن نه ڪو ٻيو

جاڏي پُورب پنڌ، تاڏي آڳ نه وڃڻو
هي هِنن جو هنڌ، منهنجو هنڌ هِتڪلاڄ ۾

پُورب پُڇياڻون، پَرپيرُ ڏِکيائون پَرنان
اوڏيان پَريان پنڌڙا، سي لَس لنگهيائون
اِئين آئيائون ته گُسُ اَسين نه گڏيا

منهنجو سو دِل سارئي ساه وو، راتا رَسامَن سان مارئي
ڏِٺي ڪڙهان ڪاڪِ تي، آٺيندو ءِ الله
هِن مُٺي ءَ جو ميندڙا، تو کي ڪيهو پَرواهُ

منہ مشعل ہیں ان کو کسی نے رنگا ہے اپنے رنگ

پورب جانا راستہ ان کو نہیں کٹھن
جوگی وہاں ملیں جس دوارے لوگ سبھن
سودا کریں وہ سیس کا جوگی صاحبِ فن

پورب ڈگر نہ جاؤں میں یہ تو ان کی راہ
میں ہنگلاج کو چلتا ہوں وہ میری خنقاہ

پوچھیں خبریں پورب کی پر پاؤں وہاں سے آگے
سارے گھاٹ ہی گھوم گئے کیا پیچھے کیا آگے
گورو کہیں وہ ملا نہیں ہم چاروں اور ہی بھاگے

ہر سانس میں تیری چاہ رہے داتا مجھ کو لوٹا مارا
تڑپوں کاک ندی کے کنارے لائے تجھے اللہ
مینڈھرا مجھ بے چارے کی تجھے کون سی ہے پروا

سنڌ واچڻ تانهنجي . روز نهاريان راهُ
گهڙي اوهان جي ٿي گهُران، پت آرهان جو چاهُ
مهر مَٿو تو ناهِ ڪو . جيڪُس منهنجو بخت سياهُ

پٺي پيش پرين ءَ کي پاڻ، آءُ چوندي سَ هلي حال ُهي
تو توڻ آهي ميندرا ، ڪاڪ ساري قُربان
دل کي ديوانو ڪيو، ڀڳڻ تنهنجي ڀاڻ
ناميان ڏ سج ننگ ڏي، آءُ تا ٿيس اَجاڻ
آندم هيٺ عتاب جي، موں کي پنهنجي ءَ چاڻ
"سچوءَ" سندي ساھ کي، تا نگها ايڏا هين تاڻ

اڙي جيڏ يون منهنجو جيئڙو، و ٿيو سڄڻ ڏجي
چرخي مُنا تاڙيون ، پينر سيڪا ٿي پيجي
دردمندي ءَ جي دل اهاٿي، مت نه ڪنهجڙي ميجي

یہ میری تقدیر ہے دیکھوں نت نت تیری راہ
دھیان میں تیرا وصل ہے چاہوں بس اِک پل تیری چاہ
انت نہیں تیری مہر کا پر میرے ہیں بخت سیاہ

حال کرو دل گی بیان میں جا کر اپنے پریتم پاس
میندھرا تجھ پر کا ک محل کی اک اک شے قربان
دل دیوانہ میرا کر گیا تیری نظر کا بان
تو ہی یہاں لج پال ہے میرا میں تو ہوں انجان
میرا دوش تو اتنا ہے لیا میں نے سب کچھ جان
سچو ہر دم دل میں گونجے تیری یاد کی تان

سکھیو! میرا جی تو لئے جاتا ہے ساجن میرا
توڑ دے اپنا اپنا چرخہ میری ہر سکھی
درد سے گھائل دل نہ مانے بات کسی کی بھی

طرز تنهنجي يار "سچو" ري سوز نه پنهنجو سچي

اڙي الو الو، رانول آيو راڄ ۾
ڏيئڙا اسور سندو ڪري، اڄ پيئر تيئڙ ۾ پلو
جنهن ساعت گڏيا سپرين، سا ساعت ڪنهن نه سلو
ڳالهه نه ڪريو ڪا بي، هاريون اوهين هلو
ڏهاڙي ڏسڻ ڪون، وار نه پوندو ولو
اصل آهي انهن سان، روح منهنجي جو رلو
"سچو" گڏيو سڄڻن، ڪرن لڳو ڪلو

ماري ويو ڪالهه رات، سونهن پريو سوتا سا ميڙو
راتو ڏينهان روح کي، طلب تنهن جي تات
ڪين سڄا تم سرتيون، تا ڪهڙي آهي ذات
سوز نه جهلڻ جهڙو، هاريون ڙي هيهات

یار تجھ کو کھینچ رہی ہے پل پل چاہ تری

سکھیو سہیلیو راول دیس میں آیا
کرم ہوا ہے مجھ پر باقی رہا نہ دکھڑا کو
جس ساعت تجھے ملے گا ساجن اس کا پتہ نہ دو
چلو کہ چل کر اس سے مل لیں کوئی نہ بات کرو
اس دلبر کی دید سے پیارے پیار بھی دونا ہو
روزِ ازل سے میرا اس کا روح کا رشتہ ہو
آن ملا محبوب سیجل سے، بیری کو دکھ ہو

مار گیا کل رات سو ہیڑا حسن کا وہ شہکار
میری روح کو تیری طلب ہے کیا دن ہے کیا رات
میں نہ سکھیو جان سکی کس زور کی تھی وہ ذات
سہہ نہ سکوں جو دے کے گیا ہے درد کی وہ سوغات

اُنيءَ پهر تنهن جي واڻي، ”سَچوءَ“ کي آهي وات

جو هوم ورونهن وارو، جيجان گذيم سونا جو گيڙو
اَڳين ءَ پوئين ءَ ڳالهه جو، خيال سُليائين سارو
سُرڻ جي سوغات سان . آيو او ڏنهُن وڻجارو
پسَڻ سان پيدا ٿيو ، سيني مَنجهه سِتارو
صورت تنهن جي سڦري، مَشعل مُنهن موچارو
جُڙي ديئو جان ۾ ، برِه اُنهيءَ جو بارو
آهي ”سچوءَ“ جو سرتيون، اِهو اکين جو اُجارو

نام پنچھو کے ہونٹوں پر ہے اس کا ہی دن رات

میاری، مل گیا ڈلارا جوگی ہنس ہنس بولے
اگلی پچھلی باتیں کیں اور راز بتایا سارا
دکھ کی لے سوغات وہاں سے آیا ہے بنجارہ
اس کو دیکھا تو چمکا ہے سینے میں اک تارہ
صورت حسن مجسم ہے منہ مشعل سا اجیارا
جڑ گیا میرے دل میں اپنے ہجر کا روشن تارہ
سکھیو! پنچھو کی آنکھوں کا جوگی ہے اجیارا



بیت روجھے

روجهَن رڻُ ياد ڪيون، آئيون رتُ رَتَن
هر ڪنهن ويلَ هُتَن، اِهڙن اوراتَن ۾

روجهون رڻُ ڦِٽو ڪري، لاهِ لهي آيون
تيون تار نه تراين، جو مُند نه اُنَن مينهڙا

هنيئَڙو چڏي هُت، تيون روا نيون روجهون
ڏڪيا اوسر ڏينهڙا، تيون گذارن هِت
آئي پهر چِت، وطن تن نه وِسري

ماٿرَ مينهن پيان، روجهان موٽي آئيون

روجھوں نے صحرا کی یاد میں خون کے اشک بہائے
ہر پل ان کو اپنے ریگستان کی یاد ستائے

روجھیں میدانوں کی خاطر چھوڑ پہاڑ گیئں
تال بھرے نہیں پانی سے اور برکھا ہوئی نہیں

من کو چھوڑ یہاں پر آخر روجھیں ہوئیں روانہ
دکھ کے دن تھے ان کے، پل پل ان کو تھا غم کھانا
آٹھ پہر مشکل تھا چت سے اپنا دیس بھلانا

وادی وادی بارش برسی اور روجھیں لوٹ آئیں

اوسر سنڌا ڏينهڙا، رسڙي سڀ ويان
ٽانا ٽر ٿيان؛ ڦٽيون ڦوڙيون ڳڏيون

جڏهن ٿيا اَبر، تڏهن روڄڻ ڳات مٿي ڪيا
مولي وچڙيون ميڙيون، جن ٿي گذاريا اوسر
پهاڙي ٽڪ جي پاند ۾، گڏجي ڪن گذر
ٿيون سيٺيي سر، لنگهين ڏکيا ڏينهڙا

آسروند آهين، روڄهون راتيون رڻ ۾
اُٺيون پيون آيَ ڏي، ٿيو واٽڙيون واجهائين
رڙيون ڪيو رڻ ۾، ٿيون ٻوندون برسائين
تنهن ڪند ٿيون ڪاهين، جنهن ڪند وسن مينهڙا

روڄهن زارو زار، اُيسي رڻو رڻ ۾
رڙيون سڻي رُليَن جون، سعيو ڪيو ستارُ

دکھ کے سارے دن بیتے وہ تھر کو لوٹ گیئں
کیسے خوش ہو کر سکھیاں سکھیوں سے آن ملیں

روجھوں نے آکاش کو دیکھا جب بادل تھا چھایا
دکھ کے دن بیتے، مولا نے بچھڑوں سنگ ملایا
کوہ کے دامن میں خوش رہنے کا موسم ہے آیا
تال بھرے پانی سے، دکھ کے دنوں کا ہوا صفایا

روجھیں ریگستانوں میں ہیں من میں آس لگائے
پل پل نیلا انبر دیکھیں آس نراس کے سائے
چیخ رہی ہیں، ان کی آنکھوں سے جل بہتا جائے
جس جانب مینہ برس رہا ہے پاؤں ادھر کو جائے

ریگستان میں روجھیں روئیں، روئیں زار قطار
آہ وزاری من کے سایہ کرتا ہے ستار

ساري ساز سُرود سان، سارنگ ٿَڏين ساز
روجهن سان رهاڻ لئہ، ڪِنوٽين ڪٽي ڪيڪار
ٿهي هليون نيلن تي، سُٽي گوڙ گجڪار
وسي وس وڏي ڪٽي، وسَڻ جي وسڪار
تانگهيون تارئون تار ٿيون، تلايون تلهار
سَڃي ٿَڏڙي سار، سِگهي تن سُڪ وارئين

”مند ائتا موٽيا!“ روئي پُڇون روجهون
”ڪمينيون ڪو جهيون، قادر تنهنجيون آهيون!

سارنگ نے بھی ساز سنبھالے سن کے ان کی پکار
روحوں نے بھی ہنس ہنس دیکھی بجلی کی چمکار
چڑھ کر ٹیلوں پر سنتی ہیں بادل کی گجکار
بڑی بڑی بوندیں ہیں برسنے کو اب تو تیار
تال تلیاں بھر گئیں پل میں بارش موسلادھار
سچو روحیں پیاسی تھیں انہیں مار گیا ہے پیار

موسموں پر لوٹ آنے والی روحیں کہیں یہ رد
ہم ہیں کمینی، ہم بدصورت، رہی ہیں تیسری ہو

بیت سارنگ

مِهرَ سَندا مينهن، شاهه وسائين ٿَلَ!
ٻهِريَل منهنجي جهو پيڙي، ٻنا جهلي جهَلَ،
ڪاهِل تي ڪَهَل، ڪندين شال ڪريم تون

سارنگ رنگ ڪيا، پيو ياڙي ءَ پٽن تي
ٻَڪرَ ٻاٻاڻن جا، پيَلرَ پيي ڏيا
ڏيهان ڏرت ديا، مولي سندي ءَ مِهرَ سان

اَڄ پڻ پُورَبَ پار ڏي، ڪَڪَرَ ڪُڪوريا
سارنگ سُرَ سُرائتا، ساجهري سوريا

شاہا بادل مہر کے تُو مجھ پہ سدا برسا
مانگے تیرا آسرا میرا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا
مجھ کابل پر رحم کر تُو اے کریم خدا

میدانوں میں پچھلی رات کو سارنگ نے چھب دکھلائی
بکریاں میرے بابا کی خوش ہوئی ہیں پانی پی
قحط کٹا اور مہر مولا کی دیس پہ ہے برسی

پورب میں نکھرے نکھرے ابھرے ہیں بادل
سارنگ نے سُر چھیڑے ہیں میٹھے سُر پل پل

سُرمنڊل ۽ سارنگيون، چنگ چڱا چوريا
آيو اُتي اوريا، طبل تارون تيج سان

وسي پيو وڏ ڦڙو، پنيون پٽ پريون
پٽاريون پٽن تان، وٺا ٽين وريون
ڪيرن جون ڪريون، ڇاڏيين ڏنٿون ڇاڄمان

دالئي وسائيج، دردمند ي ءَ جو ديس
پرين مون پرديس، اُٿي ايندم اوڏڙا

والي وري تون، وطن تي وس ڪرين
مينهن وسندي مون، سڄڻ ساريم سُپرين

سارنگ سعيءَ م آئي، ”سچل“ سڀتي ڇنڌ
مٿان ايندءِ اوچتو، هاڻ نه مُڙندءِ هنڌ
آڇهاپي ڪاڏ، وسڻ ڪان اڳي وڃي

چنگ بجیں سارنگیاں ساتھ ہیں سُر منڈل
طبل بجیں آکاش میں گونج رہا ہے جل

ٹیلے بھیگے ریت کے برکھا برسی آن
بھینسیں ٹیلوں سے پلٹیں آئی ہیں استھان
بھر بھر مٹکے دودھ کے دیتی ہیں وہ دان

دردمندی کے دیس پر مولا بارش بھیج
پریتم ہے پردیس میں آئے اپنی سیج

میرے وطن پر والیا تو بارش برسا
مینہ برسا تو ساجن کو میں نے یاد کیا

بجلی سارنگ آگیا تو بھی سستی چھوڑ
اک دم برکھا برسے گی آ جائے گا موڑ
مہلت ملے گی پھر کہاں ابھی سے چھپر جوڑ

سارنگ ساري رات، رڻن مٿي ريج ڪيا
پُکن پرڙا سوٽيا، پرڦٽي ءَ پِرِ پات
پَٽن تي پدراتيا، ڳلُ ڳل ياتون پات
واڻِي سيڪنهن وات "سچل" سارنگ سانت جي

سارنگ صبح آئيو؛ گوڙيون ڪري گاج
هاري هليا هاج. ڪُڙ ميں هر ڪُلهي ڪيا

اڪين آب وهائيو، سرتيون ساري رات
وهاڻن وڏ ڦڙو. پرچن نا پرپات
پيڙ ڪان برسات، اڪين ارتڻ سکيو

هڪ وسڻ پيو وجڻ، تيون لهُي پيو سي ءُ
جهوري وڏ ئين جهو پيون، چڻ وڏائين ڄڃي ءُ
رڻن جو رٽڻ ٻم، واه وسيلو ٽِي ءُ

ریگستان پہ برسا ہے سارنگ ساری رات
اُڑے پکھیرو جھوم کے ہوئی ہے جب پربھات
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں ہر ڈالی ہر پات
سب کے ہونٹوں پہ ہے بس سارنگ کی بات

سارنگ صبح سویرے لایا گونج گرج ہلچل
نکلے ہاری کام کو رکھ کاندھوں پہ ہل

آنکھوں نے پانی برسایا سکھیو ساری رات
موٹی بوندیں برس پڑیں جب آئی ہے پربھات
آنکھوں کو سکھلا گئی ہر دم رونا رُت برسات

اک برسے اک کڑکے بادل تیجی سردی آئی
جُھگی ہر غریب کی دیکھو ڈر ڈر کے تھرائی
بیواؤں کی جان پہ یہ کیا ہے مصیبت آئی

سال ٻنهين جو هي ٿُو . تن پس ورڪ پناهه ۾

اَول آندي آڻي، پويان جُهڙ جهَجهو
نڪي اولو آسرو . نڪو اوٽ اَجهو
ڏهيائين ڏجهو . تن پر ورڪ پناهه ۾

سچل سائين سنڌ جي، وري ورتا ٿون وات
جُهڙ ڦڙ جهُلي آئي، جهنڪي ڏيئي جهات
دسي پيا وڏ ڦڙا، گهيڙ پُسائي گهات
لاٿي اُڃ اُسات، سارن سنگهارن جي

لے لے انہیں پناہ میں رکھ ان پہ ہاتھ خدائی

پہلے آندھی اس پر آیا بارش کا طوفان
آسرا ان کا کوئی نہیں ہے نہ چھپر نہ مکان
یہ بد قسمت ان کو دینا اپنی پناہ امان

چلے ہیں بادل سندھ کو جو ہے شاد آباد
بجل بارش تیز ہوئی برکھا ہوئی زیاد
بارش موسلا دھار تھی گھاٹ ہوئے دلشاد
میرے میکے والوں نے پیاس کی دی ہے داد

سندھی میں رانجھن لوڑ رانجھو یا رانجھن کہا جاتا ہے۔ رانجھا تخت ہزارہ (ضلع سرگودھا) کے زمیندار کا بیٹا۔ باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں کے سلوک سے تنگ آ گیا۔ بھابیوں نے طنزاً کہا کہ کیا وہ ہیر سیال بیاہ کر لائے گا۔ ہیر جھنگ کے سیالوں کے سردار چوچک کی بیٹی تھی اور اس کے حسن کا بڑا شہرہ تھا۔ رانجھا تخت ہزارہ چھوڑ کر جھنگ سیالاں کو چلا۔ دریائے چناب کو عبور کیا اور ہیر کے باپ کے پاس مویشیوں کے گلے کا نگہبان مقرر ہوا۔ پھر عشق کی آگ نے دونوں ہیر اور رانجھے کو گھیرے میں لے لیا۔ تپش دور تک پہنچی، ہیر کے معذور، مفت خور اور بزعم خود اخلاق کے علمبردار چچا کیدو نے حکایت عام کر دی، بھائی نے ہیر کو بیلے جانے سے روکا۔ رانجھے کو نکالا گیا تو ہیر کے باپ کے مویشیوں کا گلہ بھی بگڑ گیا۔ مجبوراً اسے واپس بلایا گیا۔ دوسری طرف ہیر کی منگنی رنگپور کھیڑا (ضلع مظفر گڑھ) کے سید کھیڑے سے کر دی اور پھر ہیر کو اس کی مرضی کے سراسر خلاف زبردستی سیدا سے بیاہ دیا گیا۔ رانجھا ٹلہ بالناتھ (ضلع جہلم) پہ جا کر جوگی ہوا۔ جوگی کے روپ میں رنگ پور پہنچا۔ ہیر کی نند سہتی کے ذریعے ہیر تک رسائی حاصل کی اور آخر رنگ پور سے نکل پڑے۔ مگر کھیڑوں نے تعاقب کیا، پکڑے گئے راجہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ راجہ نے دونوں کو جدا کرنا چاہا۔ ہیر کھیڑوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ دیا مگر اس ناانصافی پر اس کے شہر میں آگ لگ گئی۔ راجہ نے یہ دیکھ کر فیصلہ بدلا اور ہیر رانجھے کے حوالے کر دی۔ سیال ہیر رانجھا دونوں کو جھنگ لے آئے۔ رانجھے سے کہا کہ وہ تخت ہزارے جا کر باقاعدہ دولہا بنے، بارات لائے ہیر اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی۔ رانجھا فریب میں آ گیا، سیالوں نے ہیر کو زہر دے کر مارا اور شہر کے باہر دفن کر دیا۔ رانجھے کو علم ہوا تو وہ محبوب کی قبر پر پہنچا۔ قبر شق ہوئی اور رانجھا بھی اس میں سما گیا، دونوں کا مزار آج بھی جھنگ کے قبرستان میں اپنی منفرد طرز تعمیر کے باعث قابلِ دید ہے۔

ہیررانجھو

حاڪم تخت هزار جو، قسمت ڪيو ڪنگال
مسڪينيءَ جو مرد ڪي، خطرو نه ڪو خيال
محبت مستانو ڪري، هيڏو ڪيڙس حال
پُڄي جهنگ سيال، ڇَڏ نه تخت هزار جي

شاهي هُيم شان، دلبر پنهنجي ديس ۾
اُتان آيس اوچتو، ڪٿي سورن جو سامان
ڇا منجهارئن ڇا ٿيي آيس، اهو اٿم ارمان
حيرت ۾ حيران، مون ڪي هير هتي ڪيو

حاکم تخت ہزارے کا قسمت نے کیا کنگال
خود مسکین راہ چلا نہ دل میں کیا خیال
مستانہ دیوانہ عشق کا پہنچا کون سے حال
تخت ہزارہ یاد نہیں اور پوچھے جھنگ سیال

اپنے دیس میں دلبر میری تھی شاہوں سی شان
اک دم چھوڑ یہاں پر آیا درد کا لے سامان
میں کیا تھا اور اب کیا ہوں یہ جاننے کا ارمان
ہیر کو آن یہاں دیکھا تو رہ گیا میں حیران

رانجھو ھُيس راڻُ، مالڪ پنھنجي مُلڪ جو
اديون عشق اندر ڪيو، پيُرم ڪين سماءُ
ڳھورن ڪيم گھاءُ، ھتي اچي ھير جي

ڳُئون چاريندس ڳرٽ جون، ڪاٺ ڪنين جي ڪاٺ
اِھا روح رھاڻ، متان پيي ميلي محب سان

نور نگ نند درد، ڪيڙو وجھان ڪرھ
رانجھو منھنجي روح، سدا وسي تو سرتيون

ھرھر ڏيٺو ھير جي، رانجھو ڏسي راهَ
ڏيٺو ڏياڻي ونجھلي ڄاڀون تي چِناھ
سانڍيو وتي ساهَ، "سچل" سور سڄڻ جا

آسي آواز ڪو، منھنجي ڪن پيو
ھردي اندر ھير جي، آھي ڪو نه پيو

اپنے دیس کا میں مالک تھا میں رانجھو تھا راؤ
عشق میں ایسا اندھا ہو گیا یاد رہا نہ بھاؤ
ہیر کے نیناں دے گئے مجھ کو گہرے گہرے گھاؤ

ساری گوٹھ کی گائیں چراؤں لیکن کس کے کارن
شائد مل جائے اس صورت مجھ کو میرا ساجن

کھیڑے جھونکوں جھاڑ میں ان سے دل ہے تنگ
سکھیو رانجھو من میں بسے، میرا اس کا جیون سنگ

رانجھو دیکھ رہا ہے رستہ ہیر کا ہر اک پل
ونجلی کے سُر دیکھو کیسی چاہ میں جائیں ڈھل
کیا کیا دُکھ سینے میں چھپائے بیٹھا ہے وہ سچل

کیا آواز الستی تھی جو میرے کان پڑی
ہیرو کے پردے پیچھے ہستی کوئی اور نہ تھی

مُرليءَ مست ڪيو، جو جوڳيڙن جي جيڏيون

ڪاريهر ڪتيل، گوڏين وڏا گوڏڙيءَ
منڊيو وِتي منڊن سان، ناڳ نسورا نيل
رانجهن جي رسيل، مرليءَ مستانا ڪيا

مرليءَ تي تنهن مرد جي، ڪنيا ڪاريهرن ڪَنُ
هرِ پڇڏي پاهر ٿيا، نيلا نِڪري نَرُ
زهري منجهه زهر، جوڳيڙ ئي جهڻي وتا

جن کي اڌيون اوچتي، ڪاتيو ڪاريهرُ
تن جي خاص خبر، جا پڇيو جوڳيڙن کان

ڪُنيڊل ڪنن ۾ وجهي، خان پڇڏي خاني
جوڳيسرُ جاني، راڏيءَ عطرت دڏي هليو

پڇڏي چاه چناب جو، راڏيءَ ڏانهن رويو

مست ہوئی ہیں جوگیوں کی جب مُرلی باج اٹھی

گودڑی والوں نے کیلے ہیں کیسے کیسے ناگ
ناگوں کو مسحور کریں ہیں جوگیوں کے ہی بھاگ
مست کریں رانجھن کی مُرلی سے نکلیں جو راگ

کیسا مرد قلندر تھا جب مُرلی آن بجائی
زہری ناگ بلوں سے نکلے پھن کی چھب دکھلائی
پل میں رام کیا جوگی نے ایسی کلا دکھائی

سکھیو جن کو ڈس کے گیا ہے زہری کالا ناگ
حال ان کا جوگی سے پوچھو جلی ہیں کون سی آگ

کان میں مندرے ڈال کے چھوڑی اپنی جانی
راوی رُخ سدھار گیا میرا جوگی جانی

چھوڑ کے چاہ چناب کی راوی اور گیا

مُرليون سُرليون، ونجھليون وڄائيندو ويو
تانيڪو ٿيو، سو نانگو نورنگ پُرم

جوڳي آيو جوءِ ۾، مرڪٽو مَٽدار
مُرليءَ مستانا ڪيا، جنهن جي لک هزارُ
ڪاريھر ڪرِدار، نِيلا نانگ نوائيا

جو جوڳي زلفن وارو، سو سامهي مون تاڪين سُجاتو
ڳل ڪيئي ڪفني دست ڀوتا، مشعلَ مُنهن مُوچارو
انگ ڀڀوت بنائي آيو، ڀيکه پئي دڙجارو
پئي لباس ڪو رانجهو ايندو، ڇڏي تخت هزارو
سبب اِنهي ءَ ڪون ڪين سُڃاتم، ماريو مُئيءَ لءِ وارو
”سچو“ سُڃاتو ته رانجهو آهي، جڏهن جمال سليائين سارو

میٹھے سروں میں بنسری کی تان اڑاتا تھا
آخر اس نے منزل کر لی رنگ پور میں جا

کیا گنوان تھا جوگی ہنستا میرے دیس میں آیا
اس کی مُرلی نے لاکھوں کو مست الست بنایا
نیلا زہر تھا کالے ناگ کا ناتھ نے اسے جھکایا

زلفوں کا چھتنارہ جوگی سوامی نہ پہچان سکی
گلے میں کفنی ہاتھ پھوڑا مشعل سامنہ سارا
انگ بھبھوت رما کر مانگے بھیک یہاں بنجارہ
اور لباس میں رانجھو آیا چھوڑ کے تخت ہزارہ
جان سکی نہ اس کو اس نے مجھ برہن کو مارا
سچو جانا رانجھو نے جب حسن دکھایا سارا

جوگ

پورب پَنڌ نه وڃڻا، ڳِـرناري ڳمـنـام
ويچاري ٿـي واٽ تـي، ڪرُن ڪين وسـرام
سيـني ۾ سنگـرام، سَچا سنياسن جي

ورلو ويـرا ڳي، ڳيانـي ڏِنم ڳـودڙيـو
پـُليا ڏِٺم پـيـر ۾، پـوڳـي ۽ بيـا ڳـي
طالبُ تيـاڳـي، لـِکن ۾ ڪـو هيڪڙو

جوڳين جـتـائـُون، جـوڙي جـوڙيـون جان تـي
جمنا پـڏي چيلهه سان، تـُنيـون تـنـيـائـون

راہ چلتے تو نہیں ہے دیکھا رہیں سدا گمنام
عاجز بن کر راہ میں کریں نہیں بسرام
سچے سنیاسی کے من میں ہر دم ہے سنگرام

گودڑیوں میں گیانی دیکھا کوئی کوئی بیراگی
لاکھوں اس چکر میں گم قسمت نہ جن کی جاگی
بھوگی بھاگی لاکھوں ہیں اور ان میں ایک تیاگی

جوگی جکڑ لیں اپنی جٹاؤں میں اپنی ہی جان
چمٹے باندھ سر پہ پھونکیں سنکھ ہر آن

جنجيرن سان جهان تي، ڪِشتا ڪريائين،
گــروڙي گائون، پــورب پنڌ پُڄي ويــا'

جوڳي پاتون پات، پــر منهنجو آڏو تن سان
سُفر ويا ساجهري رهــيا رڳــي رات
طلب تنين جي تات، راتيان ڏينهان روح ڪي

ڪاپڙي ڪن ڦاڙ، آيل اَڄ لنگهي ويــا
مَست ڪري ويا مَن کي، مُرلين سان مٽيار
تن جوڳيڙن جي جاڙ، مون کان مُٺي نه وسري

لاتي لاهــوتين، ڏرم جي ڏونڪي
پنبڙ جي پوٽي، ساڙي سنيا سڀ هليا

زنجیروں سے کاسے باندھے ان کو سجاوٹ جان
پورب راہ کا پوچھتے جوگی سے گئے گذران

میرا عشق تو اور ہے ہیں جوگی بھانتوں بھانت
وہ جو صبح سفر کو نکلے رُکے تھے بس اک رات
میری روح کو ان کی طلب ہے ان سے ہے سنگ ساتھ

کان پھٹے تھے جوگی گذرے باندھ کے آج قطار
ایسی بجائی مُرلی کر گئے مست ہمیں منیار
ان کی بات نہ بھول سکوں گی جیون کے اس پار

لاہوتی نے دین دھرم کی آج رمائی دھونی
سنیاسی نے آگ میں ڈالا کیا پینہ کیا پُونی

سڀ ڄاڻن ٿيون ساري سنڌ ۾، پنج پنهون ع کي، ٻيرا ڳي آهيان دوست
حال ڏسيو تو جو ريجين، سارو عرض ڪرين دوست
دلاسو ڪو دوست ڏئين، ونڌي جلد ورين دوست
ڪارو ڪڄ نه ڪيچ کي، پيڀَر تان نه پڇڏين دوست
ٻانهي ٻاڻي پانهنجي، ڳولن ساڻ ڳنڍين دوست
تو سان عمر گذاريان، جان جي هت هٿان دوست
ڳالهين تنهنجن ڳاري آهيان، جان ٿيي رت ريٽان دوست
ڏوريندي مون ڏونگرين، گهڻا ڏينهن ٿيا دوست
ٻڏا هوندا هوت تو جي "سچوءَ" سڏ ڪيا دوست

قاصد سب سندیس پنوں کو دینا میں بیراگن ہوں
جا کہنا اس سے جو دیکھا تو نے میرا حالِ زبوں
یار سے حرفِ تسلی لانا، تجھ کو کتنی بار کہوں
مجھ کو چھوڑ کے کیچ نہ جانا میں شرمندہ تو نہ رہوں
باندی بن کر تیری باندیوں میں میں بھی رہنا چاہوں
جب تک جان میں جان رہے سنگ تیرے عمر بتاؤں
میں ہوں تیرے سخن کی ماری نس دن رووں خوں
کتنے دنوں سے دشت و جبل میں میں تجھ کو ڈھونڈوں
ہوت صدائیں سچ کی سنیں تم بھی ہوں گی کیوں؟



پنجابی

دوہے

چشماں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
نظر گھتیں جہیں طرف اُتے تہیں طرف تھیوے بیتابی
مشتاقاں دے دلیاں ڈھوں کر دیاں شہید شتابی
سٹن، جھٹن تے پٹکاون، سچل عین عذابی

اکھیاں باز عقاب سوہنے دیاں کرن پروں پرواز وڈے
اگوں اوہناں مشتاقاں دے ہوندے سو نیاز وڈے
باتہاں بدھ، گھت گل وچ گاری کردے کھڑا ایلاز وڈے
تاں بھی سچل معشوقاں دے ہوسن غمزے ناز وڈے

حسن دے جوہر کارے چڑھدے بانکے نین سپاہی
شہر دلیں دا لٹ کرنیون ڈیندا عشق گواہی،
عشاقاں دے سر چڑھ آوے فوج حسن دی شاہی؛
سچل نمانے داتوں جگ وچ پردہ رکھیں الٰہی

آنکھیں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
جس جانب تم آنکھ اُٹھاؤ سب کو ہو بیتابی
دیر لگے نہ کریں شہید دلوں کو وہ تو شتابی
پھینکیں، جھٹکیں، پٹکیں سچل ساری طرز عذابی

آنکھیں باز عقاب کہ جن کی حد سے پرے پرواز
چاہنے والوں کی خاطر ہیں سو سو ناز نیاز
گلے میں پلّو ڈال کروں میں اس سے عرض نیاز
سچل سننے کو تو سُن لے مگر وہ اس کے ناز

حُسن کے بن ہرکارے چڑھ گئے بانکے نین سپاہی
لوٹ کے لے گئے دل کا نگر دیتا ہے عشق گواہی
چڑھ دوڑا ہے مشتاقوں پر حسن کا لشکر شاہی
سچل نمانے کا تو جگ میں پردہ رکھ الٰہی

شہر حسن دے وچوں چڑھدے ڈٹھیں نین نوابان
کاہ پوون تریسندیاں نستی شوکیاں پھرن شتابان
قہر کریندیاں عشاقاں نوں ڈیون لکھ عذابان
دیکھ سچل حیران رہیا اُتھ مونہہ والیاں مہتابان

کشتی ڈٹھم وچ بحر دے تہیں وچ میر ملاحاں
جھٹیاں مارن مچھیاں کوں، نہیں کوئی غرض انہاہاں
کم اونہاں دا ایہو جیہا ملک گھتن بادشاہاں
ہند، سندھ تے آن فلک نہ سچل، مارن ملک سپاہاں

ڈٹھائیں رخسار سوہنے دا خوش خورشیدی خوبی
اکھیاں قاتل بھیون قہاری مشعل مونہہ محبوبی
عشاقاں کوں کرے اسیری، عشق والی اسلوبی
نا مخلوق اکھیجے سچل سارا رنگ ربوبی

حسن کے شہر سے اُٹھے دونوں دونوں نین نواب
خون کے پیاسے، خاک اڑاتے پھنکاریں وہ شتاب
اہلِ وفا پر قہر بنے ہیں نازل کریں عذاب
دیکھ سچلؔ حیران رہا اس کا مکھڑا مہتاب

کشتی دیکھی بیچ سمندر جس میں مہر ملاح
جھپٹیں مچھلی مچھلی پر وہ ظالم بے پرواہ
رنگ ڈھنگ ان کے مار گرائیں ایک نہیں کئی شاہ
ہند، سندھ کیا ہیں سچلؔ فلک پر چڑھ دوڑی ہے سپاہ

کیا رخسار کا جلوہ تھا وہ خوش خورشیدی خوبی
آنکھیں قاتل قہر کمائیں، مشغل رو محبوبی
قید کرے عشاق کو تیرے عشق کی خوش اسلوبی
وہ مخلوق نہیں ہے سچلؔ اس کے رنگ بہ بوبی

وِچ تلاپانی دے بیٹھے ڈوں شہزادے شوری
کردے عالم اُتے حکومت، حکم زورآور زوری
دست کمان اوہناں دے ہیئی مارن تیر لاہوری
سیحل صف بصف مشتاقاں جان، جُثا سر گھوری

سوہنے دے مشتاقاں کوں ایہہ لُوہ گھتن لٹکاڈے
سوئی جانن جھلے جنھاں نے چشماں دے چٹکارے
عشاقاں دے وت بازاں وانگن جھڑپ ڈیون جھٹکاڈے
ایہناں سرّاں نوں سیحل جانے، کون ڈیون اٹکارے

بانکے نین سجن دے غالب مار دیندے مشتاقاں
دلیاں لٹ لیون ہک واری کردے کم قزاقاں
بانہاں بدھ کھڑدے تے اگوں صفاں صف عشاقاں
عشق والیاں دیاں ہر دم سیحل وِنج چھیجن خاکاں

ایک تال میں بیٹھے دیکھے دو شہزادے شوری
جگ پر حکم چلائیں دیکھو زور آور کی زوری
تیر کمان ہاتھوں میں ان کے ماریں تیر لاہوری
سچلؔ عاشق حاضر کر دیں، روح، بدن، سر فوری

جُھلس کے رکھ دیں سوہنے کے، مشتاقوں کو، لٹکارے
بس وہی جانیں جنھوں نے جھیلے آنکھوں کے چٹکارے
جھپٹیں چاہنے والوں پر، دیں باز صفت جھٹکارے
سچلؔ اس کے دستِ جفا کو کون بھلا اٹکارے

بانکے نین سجن کے غالب، ماریں جو عشاق
لوٹ کے لے گئے شہر دلوں کے وہ ظالم قزاق
باندھ صفیں، سو پاس ادب سے، حاضر ہیں مشتاق
سچلؔ عشق کے مارے چومیں اس کے پیر کی خاک

چمکن، جھلکن، جھمکن رُخ تے واہ موتی دے دانے
ساگی صورت حق دی ویکھو جے کوئی آن سنجانے
جھلکن جوڑ، جبین تے جادو یار سوہنے کوں بھانے
سچل قدر اوہناں دا جاناں یا وت آپ اوہ جانے

سوہنیاں دے مونہہ سوہنیاں جُڑدیاں کجاکج محرابیاں
مسجد ہے یا کعبہ قبلہ ڈیون عشق عذابیاں
ڈنگیاں ونگیاں واہ واہ دیکھو مصحف دیاں اعرابیاں
یا وت حسن دے شہر تے کردا سچل نینہہ نوابیاں

سُرخ لباں ہَن لعل امانی یا یاقوت یمانی
موتی مونہہ اگوں شرمندے ہیرے تھئے حیرانی
جھلک جھنک رخسار سوہنے دا پرتو نور نشانی
سچل ویکھ تجلا تہیں دا ہوئی دل دیوانی

چمکیں، جھلکیں، جھمکیں اس کے رُخ پہ موتی دانے
ساری صورت حق کی دیکھے گر کوئی پہچانے
یار سوہنے کی پیشانی پہ جادو عجب لگانے
اس کی قدر تو سچل جانے یا پھر آپ وہ جانے

اس کے رُخ پہ کتنی حسیں ہیں کج کج یہ محراب
مسجد ہو یا قبلہ کعبہ، عشق پہ سدا عذاب
ٹیڑھے میڑھے کیسے حسیں ہیں مصحف کے اعراب
جیسے حسن کے شہر کے سچل، ہو گئے ہیں نواب

سُرخ ہیں لب کہ لعل رمانی یا یاقوت یمانی
موتی دیکھ اسے شرمائیں ہیرے ہیں حیرانی
جھلک جھلک رخسار ہے اس کا پرتو نورفشانی
سچل دیکھ تجلی اس کی ہو گئی ہیں دیوانی

سوہنے یار دیاں سوہنیاں اکھیاں شاہیناں تے شاہبازاں
ماس یتیماں اتوں آکر کرن پر دل پروازاں
چھوڑ تمنا سر دی کھڑدے عاشق عشقے بازاں
معشوقاں نوں رحم نہ پوندا رہندے بے نیازاں
درد ڈاڈھے کنوں کر دے عاشق آہاں نال آوازاں
ہر جا قدر اوہناں دا ہیگل نہیں توڑے شہر درازاں

سوہنے کی سوہنی آنکھیں ہیں شاہین ہیں وہ شہباز ہیں وہ
بے آس یتیموں کے سر پر ہر دم محو پرواز ہیں وہ
سر دینے کی خواہش لے کر کیا عاشق عشق نواز ہیں وہ
کوئی رحم نہیں ان کے دل میں کتنے محروم نیاز ہیں وہ
عاشق ہیں ہمہ تن درد ہوئے ہاں درد کی اِک آواز ہیں وہ
عزت ہے سچی ہر جا ان کی' محدود نہ شہرِ دراز ہیں وہ



کافی

بغیر عشق دے ڈوجھا کوئی خیال نہیں
نہیں جو عشق تاں اے دوست تیڈا حال نہیں
سجن دے در تے شب ور دز دھوال پار ہندے
نہ ایڈے وڈے تھیون عاشق ایک جا رہندے
انہاں دے عشق دا تیکوں کوئی خیال نہیں
انہاں دا حال وچھوڑے صفا ونجا چھوڑیا
انہاں نے بار برہ دا ہے سر تے چا چھوڑیا
بغیر درد، محبت دا کوئی مال نہیں
اوہ ہائے ہائے کرے راہ تے وتار ووے
زمانے وچ نہ جیون جیہا سکھ نہیں سووے
اوہیں غریب کوں حاصل کڈاں وصال نہیں
سجن دے دستوں جو عاشق غریب قتل تھیا

بغیر عشق کوئی دوسرا کمال نہیں
نہیں جو عشق تو اے دوست تیرا حال نہیں
دھواں سجن کی گلی میں رما کے رہتے ہیں
بس اک مقام پہ دل کو لگا کے رہتے ہیں
انہیں کے عشق کا لیکن تمہیں خیال نہیں

اُجڑ گئے ہیں وہ در در فراق میں تیرے
اُنہوں نے سر پہ اُٹھائے ہیں درد کے ڈیرے
بغیر درد، محبت کا کوئی مال نہیں

ترے خیال کی راہوں میں وہ بہت روئے
ترے فراق میں وہ ایک پل نہیں سوئے
کہ ان غریبوں کو حاصل کہیں وصال نہیں

تمہارے ہاتھوں ہوا قتل جو بھی اہلِ وفا

اوہو ای مرد بنیا عشق والے مقصد دا
قسم سجن دی اوہیں تے کوئی وبال نہیں
سجن کوں جیں بھی ڈٹھا تھی گیا اوہ دیوانہ
رہیا نہ ہوش اوہیں کوں تھیا اوہ مستانہ
سجن دے حسن دا ڈوجھا کوئی مثال نہیں
کرم کرکے سجن گھر اساڈے آ، سائیں
سچل غریب کنوں چت کڈاں نہ چا، سائیں
اوہیں جدائی جیہا کوئی بیا زوال نہیں

وہی تو مرد بنا منزلِ محبت کا
قسم تمہاری کہ اس پر کوئی وبال نہیں
اُسے تو جس نے بھی دیکھا ہوا ہے دیوانہ
رہے نہ ہوش و خرد ہو گیا وہ مستانہ
کہ تیرے حسن کی جگ میں کوئی مثال نہیں
کبھی تو مہر کرا اور میرے گھر میں آ سائیں
سچل غریب کو دل سے نہ تو بھلا سائیں
اسے جدائی سے بڑھ کر کوئی زوال نہیں

جہیں دل پیتا عشق دا جام سا دل مست و مست مدام
دین مذاہب رہندے کتھے، کفر کتھاں اِسلام
پنجتن پاک حمایت میڈی حسنؓ حسینؓ امام
بخش کریندا عشاقاں تے جنت جا مقام
سر ڈیون کیتے عشاقاں نوں عشق بدھائے احرام
راتیں ڈینہاں مشتاقاں نوں مستی موج مدام
عشاقاں دا اصل کنوں ہے سولی سر انجام
سُولی تے منصورؒ چڑھایا، 'انا الحق' کلام
چادن یار ملامت سِر تے برہ سارا بدنام
چھوڑیا تہیں کوں علم عقل نے جہیں دا عشق امام
جا صفت دی مُول نہ وڑدا کلی چھوڑ کمام
درسائیاں دے سوین سپاہی، سچل بھی ہک غلام

جس نے پی لیا عشق کا جام وہ دل مست و مست مدام
مذہب دین کہاں رہتے ہیں، رہیں نہ کفر اسلام
میرے حامی پنجتن پاک اور حسنؓ حسینؓ امام
کرم کرے عشاق پہ ان کو دے جنت میں مقام
سر دینے کو عشق نے باندھے عاشقوں کو احرام
شام و سحر مشتاقوں کو ہے مستی موج مدام
مشتاقوں کے بخت میں ہے بس سُولی کا انجام
سُولی پر منصور تھا اس کا اناالحق کلام
ہجر سبب تھا، اس کے سر پر جو آیا الزام
عقل اور علم کو اس نے چھوڑا جس کا عشق امام
دنیا داری سب چھوٹے بس رہ جائے اک کام
کھڑا ہے مالک کے در پر سچل بھی ایک غلام

دور رہی آں یار، ہن ہے مناسب آون تیڈا
روز الستی سر تے چاتم برہ تیڈے دا بار
ہجر تساڈے کاہل کیتا رُوواں زار و زار
لُوں لُوں دے وچ عشق لپیٹیا تن من تیڈی تار
لکھ کروڑیں، کتنے آکھاں، ماریا اے حسن ہزار
اکھیاں تیڈیاں گل، گلابی، خونی عجب خمار
ظاہر نال زبان کریساں الفت دا اقرار
چشماں بحری باز قاڈیاں شوق کرن شکار
عاشق کتنے قتل جو کیتے، صورت دے سنگھار
تیڈے کارن جوڑ پاتو سے، گل ہنجواں دا ہار
سُولی تے منصور چڑھایا، چشماں دی چمکار
کویں کراں، جو دل دا وسجایا، بر ہے صبر قرار
دین مذاہب گل دے کولوں یار سچل بیزار

روتے روتے عمر گذر گئی اب آ جاؤ یار
روزِ الست سے میرے سر ہے، تیرے عشق کا بار
ہجر نے کچھ نہیں چھوڑا جاں میں روؤں زار و زار
عشق نے رواں رواں باندھا تن من اس کی تار
حسن کے ہاتھوں لاکھوں آخر جان گئے ہیں ہار
تیری آنکھیں گل گلابی، خونی عجب خمار
بھری بزم میں اس کے عشق کا کر لوں گا اقرار
تیری آنکھیں بحری بازہیں، ان کا شوق شکار
کیا کیا عاشق قتل ہوئے ہیں، دیکھ تیرا سنگار
تیری خاطر ڈال پروئے گلے میں انسون ہار
سُولی تک منصور کو لے گئی، آنکھوں کی چمکار
کچھ نہیں بس میں سوزِ فراق نے چھینا صبر قرار
جگ کے دین و مذاہب سے ہے یار سچل بیزار

خدا کس جا نہیں چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
بہر جائی بھی حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولو تے ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دعوت کی درویشی کہاں دردوں کی دلریشی
کہاں رکھدا ہے بدکیشی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں لکھ ورد پڑھدا ہے کتھ آپنے نال لڑدا ہے
کہاں خوناب کردا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں بازی گراں بازی، کہاں میدان دا غازی
کہاں مفتی کہاں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دلقی گداگر ہے کہاں پیری مجاور ہے
کہاں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

خدا کس جا نہیں رہتا اللہ جگ لوک سارا ہے
گلی کوچے میں ہے جلوہ اللہ جگ لوک سارا ہے
وہ ہر ہر جا پہ حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
وہ آنکھوں پر بھی ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں دعوت کی درویشی کہیں دردوں کی دلریشی
کہیں رکھتا ہے بدکیشی، اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں اوراد پڑھتا ہے کہیں خود سے ہی لڑتا ہے
کہیں وہ قتل کرتا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں بازیگراں بازی، کہیں میدان کا غازی
کہیں مفتی کہیں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں گدڑی گداگر ہے کہیں پیر اور مجاور ہے
کہیں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

کہاں کر دبدبے لشکر پکڑ دسے زور ہر کشور
کہاں احمدؐ کہاں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے شان شاہی کا کہاں درجہ سپاہی کا
تماشا خوشس الائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں کرتا ہے بیداری کہاں کرتا ہے لکھ زاری
کہاں چلتا ہے خمّاری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے عبدہٗ سارا کہاں اسکندر و دارا
کہاں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں مست و موالی ہے کہاں ہر کس دا والی ہے
کہاں بیچو سوالی ہے، اللہ جگ لوک سارا ہے

کہیں دہلائے بَن لشکر کہیں ہے زیر ہر کشور
کہیں احمدؐ کہیں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے شان شاہی کا کہیں درجہ سپاہی کا
تماشا خوشش نوائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے صرف بیداری کہیں ہے نالہ وزاری
کہیں مستی بنا ساری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے عبدہٗ سارا کہیں اسکندر و دارا
کہیں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں مست و موالی ہے کہیں ہر اک کا والی ہے
کہیں ہیچو سوالی ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

آکھ تاں ناؤں "فقیر" کیوں کر سڈاؤندا ایں
عشق دے میدان وچ مُول نہ آؤندا ایں
غفلت وچ عمر سبھ تیڈی برباد ہوئی
مستی دے خانے ڈھول وقت نہ کہیں جاؤندا ایں
زندگی ہے عذاب سہے او ہیں یار بن
سمجھ تُساکوں نہیں لوک نوں سمجھاؤندا ایں
بات برہ دی بیان کر بیندا ایں عالم اگوں
وائے تیڈے حال تے پیر نہ اوڈھوں پاؤندا ایں
دعوےٰ کریں عشق دی خوشش رہیں تعریف وچ
یار ملامت والا سر تے نہیں چاؤندا ایں
خوش لباس تے غذا دی تیکوں بہوں آرزو
یار دی جدائی کنوں انگ نہ بھسم لاؤندا ایں
مست سچل ہو رہیا پیالہ پی شوق دا
آپ تے نچدا نہیں لوکاں نوں نچاؤندا ایں

بول 'فقیر' تو خود کو کیوں کہلاتا ہے
عشق کا ہے میدان، نہیں تو آتا ہے
غفلت میں سب عمر تری برباد ہوئی
کبھی نہ مستی مے خانے کو جاتا ہے
اُس بن جیتے رہنا ایک عذاب ہوا
تو سمجھا نہیں لوگوں کو سمجھاتا ہے
خلقت سے تو ہجر کہانی کہتا ہے
تُف ہے تیرے حال پہ خود گھبراتا ہے
عشق کا دعویدار ہے خوش خوش رہتا ہے
سر پر بارِ ملامت کہاں اُٹھاتا ہے
خوش خوراکی، خوش پوشی کا شوق تجھے
ہجر میں انگ بھبوت تو نہیں رماتا ہے
پی کے پیالہ شوق سچل سرمست ہوا
ناچتا خود نہیں پر لوگوں کو نچاتا ہے

اس بازی وچ سربازی ہے سر ڈیون سرافرازی ہے
ایہو عشق دی عرض نیازی ہے وت شاہی عشق لگاون کیا
وت تیکوں آپ چھپاون کیا

آپ کنوں گذر توں کردا نہیں سولی اُپر چڑھدا نہیں
مرن کولوں اگ مردا نہیں وت عاشق نام سڈاون کیا
وت انا الحق الاون کیا

جے سر ڈیویں سانگا چھوڑیں وچ وحدت تے دوئی بوڑیں
سنگ سیاپا سارا توڑیں نینہہ شاہاں نال لاون کیا
وت ایس گلی وچ آون کیا

دل پیر پچھوں تے مڑنا نہیں وت ایسا سودا کرنا نہیں
وت موت کنوں بھی ڈرنا نہیں وت باریہ دا چاون کیا
وت در در آپ پناون کیا

یہ بازی سر کی بازی ہے
سر دینا سرافرازی ہے
یہ عشق کی عرض نیازی ہے
ورنہ کیا عشق لگانا ہے
ورنہ کیا خود کو چھپانا ہے

تو اپنے آپ سے گذرا نہ
سُولی کے اوپر جھولا نہ
مرنے سے پہلے گذرا نہ
پھر عاشق نام کا شہرہ کیا
پھر انا الحق کا نعرہ کیا

جب سر دو، ساتھ بھی چھوڑو
وحدت میں دوئی کو چھوڑو
اور رشتے ناطے سب توڑو
شاہوں سے نین لگانا کیا
پھر اس کی گلی میں آنا کیا

نہیں اُلٹے پیروں پھر پھرنا
ایسا نہیں سودا پھر کرنا
اور موت سے بھی ہے نہیں ڈرنا
پھر بار بر ہا کا اٹھانا کیا
پھر در در مانگ کے کھانا کیا

عاشق ہو کر نوبت ماریں　　اپنا سرّ صحیح سنبھاریں
بانہب والی گالہ وساریں　　وت سر دیے وال مُنادن کیا
وت آپ تیے خلق کھلاون کیا

مٹی تیار تماشہ لادیں　　انا الحق کلام الادیں
سُولی اُپر آپ سلادیں　　خیال خودی دا کھاون کیا
وت طرح اسی وِچ تاون کیا

اوہ کتکے ڈیہنہ غلامی وِچ　　وت سارا زور سلامی وِچ
کیوں آپ گھتیوئی خامی وِچ　　وت سُولی سر سلاون کیا
وت آپوں آپ اُگھاون کیا

عشق دے ڈیرے عاشق آ　　سارے سترِ دے لیئں سما
اس بازی دا عجب بنا　　وت گلی گلی وچ گاون کیا
وت ایسا سترّ ستاون کیا

بن عاشق اور نوبت یہ بجا
اور درد دالم کی بات بھلا
ہاں راز اپنا ہر اک پا جا
پھر سر کے بال منڈانا کیا
خلقت کو خود پہ ہنسانا کیا

یہ کھیل بھی اب دکھلاتا چل
سولی پہ خود کو سلاتا چل
حرف انا الحق اٹھاتا چل
اب فکر خودی کا کھانا کیا
اسی سوز میں جان کھپانا کیا

ہاں کتنے دن ہیں غلامی کے
گھیرے ہیں اپنی خامی کے
دن سالے نذر سلامی کے
پھر سولی پر چڑھ جانا کیا
پھر خود کو بڑا بنانا کیا

تو عاشق عشق کے ڈیرے آ
ہیں اس بازی کے ڈھنگ جدا
ہاں بھید کی بات کا لطف اٹھا
پھر گلی گلی میں گانا کیا
یہ بھید کسی کو بتانا کیا

دیں کفر کنوں منزل چادیں ۔۔۔ "ہو" تھی "ہو" دا حکم چلاویں
پچھے مُول نہ پیر ولاویں ۔۔۔ وت بیڑا اسی دریا دن کیا
وت گھٹی آپ گھما دن کیا

عاشق ہوونڑاں نہ تھی ۔۔۔ یکدل یار یگانہ تھی
عالم وچ بیگانہ تھی ۔۔۔ وت نیکوں آپ جھاون کیا
وت ایسا کام کما دن کیا

وہ عشق دے کوچے آیا ہے ۔۔۔ وہ کیا قدم اٹھایا ہے
ہُن درس سارا پایا ہے ۔۔۔ سچل سر ڈے آپ بچاون کیا
وت جوشاں جی جلا دن کیا.

تو کفر اسلام سے بچتا جا   تو "ہو" بن "ہو" کا حکم چلا
تو پیچھے قدم نہ ایک اٹھا   پھر اس کے در پہ جانا کیا
دستک پر اس کا آنا کیا

تو عاشق بن کے نشانہ بن   اور یکدل، یار یگانہ بن
تو عالم میں بیگانہ بن   پھر جا کے اسے رجھانا کیا
پھر ایسا کام کمانا کیا

وہ عشق کے کوچے آیا ہے   اور کیسا قدم اٹھایا ہے
اب سارا درشن پایا ہے   بیکل اب سر کو بچانا کیا
اس دکھ میں جاں کو جلانا کیا

میں تاں آپ مستاں ہو رہی ہن نال بیاں آکھاں حال کیہا
ماہی یار محرم میڈے حال وا میڈا کم اوراں دے نال کیہا
سنو سبھ سیالیں دو گالھ میڈی رانجھو یار باجھوں ملک مال کیہا
ماہی چاک میڈی دل لٹ نیتی تساں کیں کھیڑیاں دا خیال کیہا
جہیں دی روزِ الست میں ہو رہی تہیں دی آہس، بیا دو سیال کیہا
میں کون ہو تیکوں ڈو رہا ڈیواں سُن یار میڈا ہے مجال کیہا
دل آکھاں لیتجن توں ہکو میکوں میڈا تھیوے اتھاں اقبال کیہا
مہر نال پچھیں جے توں آپ میکوں سچو آکھ تیڈا ہے سوال کیہا

سانورا بانورا میڈا ماہی مولا شال ملاوے
اب کے وچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جاوے
راتاں ڈیہناں تاہنگ تساڈی سینے پک نہ سماوے
اللہ کریسی ڈیہناں او ہو ای انگن سجو دے آوے

میں مستی میں ڈوب گئی سکھیوں کو سناؤں حال کیا
ماہی میرے حال کا محرم غیر کا ہے جنجال کیا
سب کچھ میرا اُس کا ہے میرا اور ہے مال و منال کیا
ماہی نے دل لوٹ لیا ہے اب کھیڑوں کا خیال کیا
روزِ ازل میں اس کی ہو گئی جھنگ ہے کیا اور سیال کیا
دلبر جانی میں اور تجھ کو دُکھ دوں، مری مجال کیا
میں چاہوں پھر لوٹی جاؤں مرا ایسے ہے اقبال کیا
مہر محبت سے پوچھو سچو میرا بھی ہے سوال کیا

سانورا بانورا میرا ماہی مولا آن ملائے
اب کتنے بچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جائے
شام و سحر ترا دھیان آتش سینے میں نہ ہی سمائے
ربّ کرے سچو کے آنگن اک دن وہ بھی آئے

ندی کنارے کھڑا وو رانجھو چل ویکھو کریندا زاری
پچھ پچھ آیا سوراج سیالیں دا
وچھلی و جیندا سو وت بھوں بھوں ویندا
آپ آکھیں کنوں جاری
کڈاں کڈاں سوتاں بیٹھا روندا اے
گالھ سیالیں دی سبھ کنوں پچھدا اے
تھی آیا کوئی واپاری
سوہے دا سبھ ویس کریسوں ڈے
چوتے چندن نال وال گندیسوں ڈے
نہیں گل گھتیسوں گانی
مشک گلاب دے نال دھویسوں ڈے
خوشبویاں سبھ رنگیں کوں لیسوں ڈے
کرسوں کجلیاں کاری

ندی کنارے کھڑا ہے رانجھا، کرتا گریہ وزاری
کہاں کہاں سے پوچھ پوچھ کے آیا دیس سیال
بنسی پہ وہ تان اُڑائے کہ میں ہو گئے نڈھال
آنکھوں سے آنسو جاری
کہاں کہاں پہ بیٹھ کے رویا کیسا اُسے ملال
کس کس سے وہ پوچھ چکا ہے جھنگ سیال کا حال
آیا ہے کوئی بیوپاری
میں پہنوں گی اس کی خاطر سُرخ سہاگ کا جوڑا
بال بناؤں ایسے جن میں چندن نہ ہو تھوڑا
گردن میں پھندا بھاری
مشک گلاب سے غسل کروں اور تن من کو مہکاؤں
اِک اِک انگ کو سو سو خوشبوؤں میں میں بساؤں
گجرے سے نین ہوں کاری

عطر عبیر دا مینہ وسیسوں ڈے
سجّو سیرھا چاک کریسوں ڈے
تہیں توں تھیسوں واری واری

عشق دے باہجوں بیا سبھ کوڑ سُولی تے منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
من اساڈا نہیں منیندا مُلیاں دا مذکور
ڈیہنہ جوانی لنگھ گیو سے ہُن تھیو سے جھور
ظاہر ڈیکھم یار سجن دا نینیں والا نُور
بیاں سبھ گالھیں پُھرتیاں پھاہیاں، چھوڑن ہے نی ضرور
تجّل سچ صحیح کر جائیں ہیئں توں آپ حضور

عطر عبیر بکھیر دُں ایسے جیسے مینہ برساؤں
سچل یہ کچھ کر کے میں پھر تجھ کو چاک بناؤں
جاؤں تجھ پر واری واری

عشق بناں سب جھوٹ ہے پیارے سُولی پر منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
دل نے کبھی نہیں مانا ہے مُلّا کا مذکور
پیری آئی گئی جوانی جس کے دن مخمور
میں نے دیکھا یار سجن پر عشق سے پھوٹا نور
باقی کیا ہے، جال بچھے ہیں، ان سے بچو ضرور
سچل ایک حقیقت تو ہے، تو ہے آپ حضور

تاب کنوں بےتاب میاں، ہیں تاب کنوں بےتاب
نہ ہیں گویا نہ ہیں جویا، نہ ہیں سوال جواب
نہ ہیں خاکی نہ ہیں بادی، نہ ہیں اگ نہ آب
نہ ہیں جنّی، نہ ہیں انسی، نہ مائی نہ باپ
نہ ہیں سُنی نہ ہیں شیعہ، نہ ہیں ڈوہ ثواب
نہ ہیں شرعی، نہ ہیں ورعی، نہ ہیں رنگ رباب
نہ ہیں مُلاّں نہ ہیں قاضی، نہ ہیں شور شراب
ذات سچل دی کیہی پچھدائیں نا لبے تاں نایاب

آندا جاندا یار دے ویہڑے ڈے وچ یار اساڈے
مارن کان اساڈے کیتُس صورت دا سنگار دے
بُو عطر دی مست کیتا دت کوچہ شہر بازار دے
وچ فراق وصال گھدے، سچل کیا اسرار دے

تاب سے میں بے تاب ہوا ہوں تاب سے میں بے تاب
نہ میں گویا نہ میں جویا نہ میں سوال جواب
نہ میں خاکی نہ میں بادی نہ ہی آتش آب
نہ میں جنی نہ میں انسی نہ مائی نہ باپ
نہ میں سنی نہ میں شیعہ، پاپ نہیں نہ ثواب
نہ میں شرعی نہ میں ورعی نہ میں رنگ رباب
نہ میں ملاّ نہ میں قاضی، نہ میں شور شراب
ذات سچل کی کیا پوچھو ہو، سچ ہے پر نایاب

اس آنگن میں آئے جائے، جائے آئے یار
گھائل کرنے آئیں وہ نکلا کر کر عجب سنگھار
مست ہوئے اس کی خوشبو سے کوچے اور بازار
وصل کی شب میں مانگی جدائی سچل دیکھ اسرار

غیر دے خام خیال کنوں ہُن ہا دی ساڈی توبہ توبہ
جیہی تیہی تیڈی آیاں دور نہ کریں وصال کنوں
آپوں آپ جمال دکھائیں ہیں گئی ہاں ہر حال کنوں
ناؤں سائیں دے ساکوں بچاویں غیر دی قیل مقال کنوں
غرض اساڈا من توں ہادی قسم ہے بیئے سوال کنوں
گڈھ ون داتیں آکھیا سانوں گھلی آں ایہیں گالھ کنوں
دین کفر توں قسم چا توسے ساڈی بس ایہیں وبال کنوں
عشق اساں نوں الف پڑھایا ٹھیہہ گئی دلڑی دال کنوں
کرم سبھوئی کوڑی آکھے سچی تھئیں ایں سنبھال کنوں
جان سچل دی نال تساڈے چھٹ گئی ہاں جنجال کنوں

مرشد میری توبہ توبہ غیر کے خام خیال سے
جیسی ہوں، محروم نہ رکھنا، مجھ کو اپنے وصال سے
آنکھ پڑی ترے حسن پہ میں تو گذری اپنے حال سے
نام سائیں کے مجھے بچانا غیر کی قیل مقال سے
سائیں اک میری عرض سنو، میری توبہ اور سوال سے
سر نہیں کھینچا ترے اک رہنے کے حکم کمال سے
دین اور کفر سے ہاتھ اٹھایا چھوٹی جان وبال سے
عشق نے ایسا سبق پڑھایا گذرے قیل اور قال سے
جگ، جھوٹا کہتا تھا مجھ کو، میں سچی ہر حال سے
جان سچل کی تجھ پہ فدا، میں بچ گئی ہر جنجال سے

کیہا شک گمان سبھ کہیں صورت سیر تساڈا
لکھ پوشاکاں کرکے عاشق کیتوئی ہمہ حیران
شاہ منصور دا سر کپایو، مل کھڑا میدان
اوہ بھی توں ہیں ایہہ بھی توں ہیں آپ کریں ارمان
ملاں بھی کر ڈیویں فتوے، آپ تھیویں قربان
سچو ہویا نام تساڈا، کریندیں آپ بیان

اول دلاسے ڈے گیا، ہُن کیہے گناہوں رُس ویندا
دل توں ساڈے وِسرنہ ویندا، ہجر دے ونج جو حال تھیا
سو سو طعنے لکھ لکھ بدیاں کردا سارا لوک رِگلہ
مہرا دیں توں مُول نہ جاویں بیٹھس جو تیڈے یار پیا
عشق تیڈے دا ڈیرا دلبر ناگہ نیناں تے ہے تھیا
سنگ ہے سجّل کڈاں چھوڑ نہ جاویں، سوہنا سینے نال لگا

ہر صورت میں جلوہ اس کا کیسا شک گمان
تیرے روپ ہیں لاکھوں، عاشق رہ گئے سب حیران
دار پہ دارا شاہ منصور، تُو بیچ کھڑا میدان
وہ بھی تُو تھا، یہ بھی تُو ہے، کیا کیا تیری شان
مُلّا بن کر فتوے دو، خود ہو جاؤ قربان
سچو آپ ہی ازلی چپ ہے آپ ہی شرحِ بیان

جو دل کو سہارا دیتا تھا کس کارن ہم سے روٹھ گیا
کب بھول سکے گا دل اپنا ترے ہجر میں جو جو حال ہوا
جو طعن کے بول سہے میں نے لوگوں سے سُنا جو بُرا بھلا
گر تیری مہر لئے ہے مجھ پر منظور ہے جو جو ظُلم ہوا
ترے عشق نے آنکھوں میں دلبر اک عمر سے ڈالا ہے ڈیرا
سچل تو وفا کا پتلا ہے، اسے چھوڑ نہ جا، سینے سے لگا

چھوڑ گمان گدائی والا شملا چا بدھ شاہی دا
مار نعارا وحدت والا فکر رکھیں بادشاہی دا
غیر خیال گذار نہ دل تے غمزہ ہئی گمراہی دا
گمراہی وچ ہئی ہدائت نور سفید سیاہی دا
ہر کہیں طرفوں تارک تھیویں کم کر کج کلاہی دا
مار ڈغا تاں ظاہر تھیویں سر کا بی صراحی دا
آپ سنجان انا الحق آکھیں، مانیں عیش الٰہی دا
نفی سچل اثبات کریندا ویکھو سیر سپاہی دا

بے رنگی تصویر مولا دی سو رنگ وچ سمایا ہے
آپے گاتا، آپ بجاتا آپ سمیع بصیر
کتھاں لیلیٰ، کتھاں مجنوں، کتھاں رانجھا ہیر
کتھاں صاحب حکم چلیندا کتھاں سڈیندا فقیر
سچل ہر جا رنگ رانجھن دا حاجت نہیں تقریر

چھوڑ گمان گدائی والا شملہ باندھ لے شاہی کا
مار نقارہ وحدت والا، فکر ہو شاہنشاہی کا؟
غیر خیال گذار نہ دل سے ساماں ہے گمراہی کا
اس میں بھی ہے نور ہدائت نور سفید سیاہی کا
تارک ہو تو دنیا کا کر کام یہ کج کلاہی کا
مار کے ڈھول تو ظاہر ہو پی گھونٹ یہ مے کی صراحی کا
خود پہچان انا الحق کہنا، کرنا عیش الٰہی کا
نفی سے ہے اثبات سچل ہاں دیکھو روپ سپاہی کا

بے رنگی مورت مولا کی سو رنگوں میں سمایا ہے
آپ ہی گائے آپ بجائے آپ ہی سمیع بصیر
مجنوں کبھی ہے، کبھی ہے لیلیٰ کبھی جواں کبھی پیر
کہیں پہ حاکم حکم چلائے کہیں بنے وہ فقیر
سچل سب رنگ رانجھے کے میں کیوں کیجے تقریر

نال ڈاہڈے دے یاری لگڑی روزِ ازل کنوں
بانہاں بدھ کے پیش پواں ہیں، نال سائیاں دے زاری
علم عقل تے شرم حیا، کنوں عشق کیتی بیزاری
اپنی مرضی نال اساں خود برہ چا توسے یاری
آنگن اساڈے نال کرم دے آتوں سجن ہک واری
عشق تیڈے دی دل میڈے تے، اصل کنوں مختاری
تیکوں ہے معلوم اے پیارا گالھ سچل دی ساری

حسن اساں تے ہلاں کیتیاں کنھوں آکھاں حال
چت داچولا تیڈے کارن رو رو کیتم لال
دوست تساڈے درد دے باجھوں جیون سبھ جنجال
نظر اساکوں کوئی نہ آیا پیار بناں بیا مال
نال سچل دے آن گذاریں حسن میڈا توں سوال

روزِ ازل سے لگی ہوئی ہے اس منہ زور سے یاری
ہاتھ باندھ میں عرض گذاروں سن مرا نالہ وزاری
عقل اور علم اور شرم و حیا سے عشق کو ہے بے زاری
جی چاہا تھا ہم نے اٹھالی ہجر کی گٹھڑی بھاری
کرم کرو، مرے آنگن آؤ بے شک ایک ہی باری
میرے دل پر ایک تمہارے عشق کی ہے سرداری
پیارے تو جانے ہے سچل کی جو ہے حقیقت ساری

حسن نے کیا یلغاریں کی ہیں کس سے کہوں میں حال
خون کے آنسو رو رو کر ملبوس ہوا ہے لال
اور اگر نہ ہو دردِ جدائی تو جینا بھی محال
جگ میں پیار کا سودا سچا، کھرا یہی ہے مال
آؤ سچل سنگ عمر گذارو، مانو مرا سوال

نیناں والی نوک اساں نوں سانوں لائیو امی یار
ویکھن نال حیران رہی ہیں اکھیاں دا اسرار
محض ایہناں منصور مرایا خونیاں دے بھی خمار
ڈٹھڑا ای کیہہ عالم دے وچ عاشق تھی اظہار
کئی دانا دیوانے کیتے چشماں دے چمکار
رُخ تے زلفاں لٹکن لمکن خون کرن خمدار
کالے وال کا دیہر وانگے چارے تھئے چودھار
موتہہ ڈٹھم مہتاب سجل دا کیتم جج ہزار

اساں ونجنا تخت ہزارے رہنا راوی دے کنارے
ایہہ دل ساڈی تھئی دیوانی ویکھن ہک نظارے
ہو کنیزک ونج اٹھائیں باقی ساعم گذارے
ٹھڈڑیاں ٹاہلیاں راوی والیاں جتھاں رانجھو مست پکارے

ان نینوں سے ہم کو کیسا گھائل کر گیا یار
دیکھ کے ہیں حیران ہی رہ گئی آنکھوں کے اسرار
یہ منصور کو لے بیٹھیں، یہ خونیں مست خمار
دیکھا جگ میں عاشق کی ہے کیا طرزِ اظہار
کیا کیا دانا ہوئے دوانے چشم کی ہے چمکار
خون کریں کیا کیا، رخ پر بکھری زلفیں خمدار
بال، گھٹائیں شاہ کالی، تاریک ہوئے چودھار
سچل چاند کا منہ دیکھا مرے ہو گئے حج ہزار

ہمیں جانا تخت ہزارے رہنا راوی کے کنارے
دل اپنا ہوا دیوانہ مانگے لبس خاص نظارے
وہاں رہنا باندی بن کے یوں ساری عمر گزارے
راوی کی ٹاہلیاں ٹھنڈی جہاں رانجھو مست پکارے

ہے ضرور اساں کوں ونجنا اُتھاں کیتا یاد پیارے
سُن دے سچو ہکو رانجھن جائیں لگ نہ کہیں دے لارے

لگڑی وچ دل رانجھے نال اڑے لوکو اڑے لوکو
روح اساڈا رانئیں ڈیہناں پیا وچ خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والے ہیں تاں ہیر سیال
دل تے آ جو محکم رہی رانجھو دی ہک گالھ
اصلوں تہیں دے نال جو آہی جی میڈے دی چال
عشق رانجھو دا اندر وڑیا وسر گئی بئی چال
کیوں اپنا ہیں حال سناواں بزہ کیتا بے حال
اگوں سجن دے عرض کرن دی میڈی کیا مجال
حاضری وچ ہمیشہ ہوویں سچو توں آپ سنبھال

لازم ہے ہمیں واں جانا ہمیں یاد کیا ہے پیارے
رانجھن بس ایک ہی سچو لگتا نہ کسی کے لارے

دل رانجھے کے نال رہی دنیا دل رانجھے کے نال
شام و سحر اس دل میں بسے بس ایک ہی خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والا میں ہوں ہیر سیال
دل پر آ کر بیٹھ گئی رانجھو کی بات کمال
روزِ ازل سے اس سنگ تھے مرے سارے سُر اور تال
دل میں عشق سمایا ایسا بھول گئی ہر چال
کیسے حال سناؤں دل کا ہجر سے ہوں بے حال
یار سے جا کر عرض کروں یہ نہیں ہے میری مجال
سچو اس کے حضور رہو پر رکھنا خود کو سنبھال

آپے محرم ہویا میں دا آپے محرم ہویا شاہ جی
نہ میں یاراں نال یاری لائی نہ میں عشق کمایا شاہ جی
نہ میں وچ تماشے آئی نہ میں پیر چلایا شاہ جی
نہ میں اِتھاں سیندھ گندائی نہ میں کوئی چت لایا شاہ جی
نہ میں شہ دے کول جو بیٹھی نہ میں سہرا گایا شاہ جی
سچو دا سر تیں توں صدقے رہبر راز بتایا شاہ جی

کلنگی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تساڈے، ملک تساڈی، کیا جو تخت ہزار
سبھ سیالیں تیں توں صدقے کیتی ہیر نثار
میں تاں کو ہجی کملی کالی توں صورت دا سینگار
سچو نمانا در تیڈے تے روندا زاروزار

محرم راز بناوہ میرا محرم راز بنایا شاہ جی
نہ یاروں سنگ یاری میری نہ ہی عشق کمایا شاہ جی
نہ میں تماشے میں آئی نہ آگے قدم بڑھایا شاہ جی
نہ ہی بال سنوارے نہ ہی دل دنیا میں لگایا شاہ جی
شاہ کے پاس نہ بیٹھی ہوں نہ میں نے سہرا گایا شاہ جی
سچو کی جاں تجھ پر قربان تو نے بھید بتایا شاہ جی

کلغی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تمہارے، مِلک تمہاری کیا ہے تخت ہزار
سب سیالاں تجھ پر صدقے ہو گئی ہیر نثار
میں کوہجی کالی کملی تو صورت کا سنگھار
سچو نمانا در تیرے پر روئے زار و زار

آ مل میڈی جان، آ مل، آ مل، آ مل بیبا
عشق دیاں گالھیں ہُن منصوبے عشق دا کیہڑا امکان
کیہڑا امکان وے بیبا!
اساں نمانیاں تے سوہنا سائیں آ کریں احسان
آ کریں احسان وے بیبا!
عشق تساڈے ڈیکھ جو کیستا توں ہیں سچل سُلطان
توں ہیں سچل سُلطان وے بیبا

اپنے دیہڑے دا چا غلام کیتوئی

ہوش اساڈا ہکو واری نیناں نال نیتوئی، چا غلام کیتوئی
ہجر گھتیوئی آن یتیماں کیویں دور ستیوئی، چا غلام کیتوئی
اکھیاں کالیاں لعل شرابی مے دا مٹ پیتوئی، چا غلام کیتوئی
ساہ سرید دل یار سچل دا لیئے نال لیتوئی، چا غلام کیتوئی

آ مل میری جان، آ مل، آ مل، آ مل پیارے
عشق کے کیا منصوبے ہیں اور اس کا کون مکان
کون مکان لے پیارے
ہم پر سوہنا دلبر سائیں آؤ، کرو احسان
آؤ کرو احسان لے پیارے
تیرے عشق نے ہم سے کیا کیا تو ہے سچل سلطان
تو ہے سچل سلطان لے پیارے

اپنے گھر کا کیا غلام

ہوش تمہارے نیناں لے گئے قصہ ہُوا تمام، اپنے گھر کا کیا غلام
ہجر دیا اور کر لیا تو نے اپنا دور مقام، اپنے گھر کا کیا غلام
آنکھیں کالی، لال شرابی پیا ہے جام پہ جام، اپنے گھر کا کیا غلام
سانس کی ڈوری یار سچل کی پہنچی تا انجام، اپنے گھر کا کیا غلام

عشق دی خبر نہ تیکوں ہے برہ دی خبر
جے پچھے اساں کنوں ہے بے زیاں زہر
تیکوں نہیں کیتا ہے اِچا برہ بے خبر
سرجان دل سبھائی اگوں دوست ڈر نہ ڈر
نہیں خواب، نہیں آرام، ایہو عشق دا اثر
ڈیندا اول نکالی تیکوں سارا شہر
سچل اساڈے کیتے ہوویں روز منتظر

ایہیں سنسار دے وچ یار تماشا ویکھن آیا ہے
رنگاں رنگ وچ یار پیارے، عجب جیہا رنگ لایا ہے
آدڑی سیاں جھمر مار دں، اَج سارا کم سجایا ہے
لکھ لکھ پھیریاں دلبر ڈیندا ناچو ناچ نچایا ہے
بیرنگی ایہیں رنگ دے اندر سچل آپ دلایا ہے

نہ عشق کا تو شناسا نہ ہجر کی ہے خبر
جو ہم سے پوچھو تو اس زہر میں نہیں ہے ضرر
نہیں کہ سوزِ محبت گیا ہے جاں میں اُتر
گذار یار کی خدمت میں جان و دل مت ڈر
نہیں ہے خواب نہ آرام، عشق کا ہے اثر
کہ شہر والوں نے تم کو کیا ہے شہر بدر
اور انتظار کرو تم سچل کا شام و سحر

اس پھیلے سنسار میں یار تماشا دیکھنے آیا ہے
رنگوں کے اس میلے کو کیا یار نے رنگ لگایا ہے
آؤ سکھی ری جھوم رڈالو یہ منظر خوش آیا ہے
دلبر لاکھوں پھیرے دے اور کیسا ناچ نچایا ہے
ان رنگوں میں بیرنگی کو سچل اس نے ملایا ہے

عشق ڈِتا احوال جنہاں نوں برہ کیتا بے حال تنہاں نوں
سودا سِر دا سور یہیں کیستا ہویا مُٹرن محال تنہاں نوں
ہر دو جہان کوں ہِٹّی ڈیون ہویا خاص خیال تنہاں نوں
جیہڑے سدھ سجھائی چھوڑن کیتا نینہہ نہال تنہاں نوں
جیہیں کُوں شوق محبوب ملن دا جیون اتھ جنجال تنہاں نوں
سچل سائیں جیہیں نوں ملیا حاصل ہویا حال تنہاں نوں

ہر جا حُکم ہلائیں توں یار ، بھلا بھلا
جوگی تھی کر جگ دے آکر انگ بھبھوت رمائیں توں
رنگا رنگی ویس جو کرکے پھیرا تھاں جمکائیں توں
جو بن جلوہ کرکے آندئیں آپ سنجیں سنجوائیں توں
نعرہ مار انا الحق والا بر سرِ دار چڑھائیں توں
آپ کوں آپے ڈے کے ڈکھالے سچو ناں سڈائیں توں

عشق دکھائے حال جنہیں، ہجر کرے بے حال انہیں
جنھوں نے سودا سر کا کیا مرنا ہوا محال انہیں
دونوں جگ ہی چھوڑ دیئے تیرا خاص خیال انہیں
جو سب کچھ ہی چھوڑ گئے پریم نے کیا نہال انہیں
جن کو شوقِ وصال ہوا جیون ہے جنجال انہیں
سچل سائیں ملا جنہیں کر گیا صاحبِ حال انہیں

ہر جا پر تو اپنا بھلا بھلا سا حکم چلائے
جوگی بن کر جگ میں آئے انگ بھبھوت رمائے
رنگ برنگے بھیس بدل کر جگ کو تو چمکائے
حسن کا جلوہ آپ کرے خود ناچے اور نچائے
نعرہ مار انا الحق والا تو سُولی پہ چڑھائے
آپ ہی دیکھے روپ اپنے اور کیا کیا تو کہلائے

تیڈیاں چشماں کیتا چُور   کہیں کوں آکھاں گالھ ایہیں حال دی
بُلھے شاہ کوں بیراگی کیتونی جیہیں دا شہر قصور
نازنیناں دے نال پیارا سُولی چاڑھیوئی منصور
سرمدنوں لت ڈے کہایوئی ورہ نیستا دُ ھلور
شمس الحق دی کھل کھلایوئی مُلکیں وِچ مشہور
قتل تاڈا تِنہاں قبولیا جو ہوندے وِچ حضور
سچو حیرت دے وِچ ہوویں بئے محو کریں مذکور

کڈاں شاہ امیر بنیندا اہیں کڈاں پیر فقیر سڈیندا اہیں
کڈاں آپ وِچ صلح کریندا اہیں کڈاں آپ دے نال لڑیندا اہیں
کڈاں ہو کا سیج بھریندا اہیں کڈاں سُولی اپر چڑھیندا اہیں
کڈاں کفر ایمان منیندا اہیں کڈاں آتے مصحف پڑھیندا اہیں
کڈاں سچل، حاکم ہوندا اہیں کڈاں آپے دُہل وجیندا اہیں

کس کو بتاؤں حال کہ تیرے نیناں کر گئے چور
بیراگی کیا بُلھے شاہ کو جن کا شہر قصور
ان نینوں کے کارن سُولی پر لٹکا منصور
سرمد کو بھی تو نے دار پہ وارا اے مغرور
شمس الحق کی کھال کھنچا دی جگ میں ہے مشہور
موت انہیں منظور ہوئی یہ، تھے جو ترے حضور
سچو اس حیرت میں رہنا بھول کے سب مذکور

کہیں شاہ امیر بنے ہو تم کہیں پیر فقیر ہو بن بیٹھے
کبھی کام ہے صلح صفائی کا کبھی خود سے کرتے ہو جھگڑے
اعلان کہیں پر سچ کا ہے کہیں سولی پہ ہو لے جاتے
کبھی کفر ایمان کی باتیں ہیں کبھی آیت مصحف ہو پڑھتے
سچل وہ کبھی تو حاکم ہے کبھی گلے میں ڈالے ڈھول پھرے

بول پکھی پردیسڑا ڈے توں کیہڑے دیسوں آوندا ایں
مونہہ وچ مُرلی پیریں گھونگھرو گلی گلی وو وجاوندا ایں
اُتھوں آیا ہیں پیروں ننگڑا ایتھاں پا در پاوندا ایں
جڈاں توں آیوں ڈھوندھ محل وچ تڈاں کیا کجھ کھاوندا ایں
جڈاں توں آیوں مدگھر وچ وعدہ نت بُھل جاوندا ایں
'لالہ' 'موہن' لج نہیں آوندی ذرہ نہیں شرماوندا ایں
سچو ذات صفات ڈے اندر سبھوں آپ سماوندا ایں

نیناں دی میں ماری... ماری ہو ہو نیناں دی
عاشق بانہاں بدھ کراہن کھڑا کریندا زاری
میں ایانی' نیونہہ کیا جاناں' برہ چاڑھیو نیں باری
میں تمانی کوں مژگاں والا کیبر ماریوئی کاری
سچو آکھ سیاں ڈے اگوں حال حقیقت ساری

بول رستے پنچھی پردیسی تو کون سے دیس سے آیا ہے
لبوں پہ مرلی پاؤں میں گھنگھرو گلی گلی کیا گایا ہے
وہاں سے ننگے پاؤں آئے اب کیسا ان میں سجایا ہے
دھنڈ محل میں آیا ہے وہاں کیا کیا تو نے کھایا ہے
وہاں سے اس گھر میں آئے تو وعدہ روز بھلایا ہے
لالہ ''موہن'' شرم نہ آئے تو نہ ذرا شرمایا ہے
سچو ذات صفات کے اندر وہ خود ہی تو سمایا ہے

نینوں کی میں ماری ہائے ہائے نینوں کی میں ماری
باندھ کے ہاتھ کھڑا ہے عاشق کرے ہے نالہ و زاری
میں معصوم ہوں عشق نہ جانوں، برہا بوجھ ہے بھاری
مژگاں والے نے بے بس پہ وار کیا ہے کاری
سچو سکھیوں پاس کہو جا حال حقیقت ساری

کیویں کاغذ کیتنائی کارا ہاسے ہاسے ڈسے یارا
عالم سارے کوں مسئلے والا سبق پڑھایوئی سارا
کیتوئی مونہہ کتاباں ڈھول بھل گیوں بے چارا
بیاں گالیں سبھ چھوڑ کراہن دو راہ گھنیں دنجارا
کیہہ کر گالھ الست والی، وسر گیوئی دے سارا
ورد وظیفے دا راتیں ڈیہناں کریندائیں لکھ شمارا
سچل یار سجن دا ڈیکھو ہے تاں محل مچارا

اُلٹ بازی گر ویکھو عشق دیاں اُلٹیاں بازیاں
برہ دیاں باتاں سُنوسیاں تن من اندر تازیاں
علم حقیقی عاشق جانن، کیا جانن مُلاں قاضیاں
محبت دے میدان وچوں گوئے چاتی کنہاں غازیاں
سچل ہر دم در اللہ دے کردا سو لکھ آزیاں

ہائے ہائے کاغذ کیوں کالے کرتا ہے میرے یارا
کُل عالم کو سبق پڑھایا مسئلوں والا سارا
وہ تو کتابوں میں کھویا ہے رستہ بھول بیچارا
سب باتوں کو چھوڑ کے اپنی راہ پہ چل بنجارا
روزِ ازل کو یاد تو کر کیا بھولا عہد وہ سارا
وِرد وظیفے شام و سحر معمول بنے ہیں تمہارا
یارِ سچل ساجن کا دیکھو اونچا محل منارا

اُلٹا بازی گر ہے دیکھو عشق کی اُلٹی بازی
کتھا برہا کی سُن سُن کر تن من میں لہر ہے تازی
علمِ حقیقی عاشق جانیں نہ جانیں مُلّا قاضی
گوئے محبت لے گیا اس میداں سے کون سا غازی
سچل ہر دم در اللہ کے کرے ہے عرض نیازی

دم اللہ وسدا مُلک ربانی، سُن میاں تائبی، نہیں دل راتی، تیں کیہڑا جھگڑا لایا

اوّل عشق اللہ نوں ہویا جیہنے رسولؐ اُپایا

دوجا عشق محمدؐ نوں جیہنے کلمہ پاک پڑھایا

تیجا عشق چونہہ یاراں نوں جنہاں صدق خوب کمایا

ہک دیہاڑے مُرشد میںنوں آپ اینویں فرمایا

ایہو طریقہ وحدت والا، سانوں بہوں خوش آیا

کھیڑیاں نال گذار ہم ڈیہنڑے ہُن ویندی آں رانجھن یار ڈھول

ہیں موئی دی ہُن دل شاد ہوئی گھلیا وا تیڈا ادیں یار ڈھول

اس جگ دیاں جایاں چھوڑ کے کھدیاں سچے اقرار ڈھول

توں سیں ہیناں سبھے اتھ جا توں دیر نہ پوے دلدار ڈھول

کیتے تائیں اتھ مہجور ہوسیں آیا پا ہندی اصل اسرار ڈھول

بھگے شک سچ دے غیر کنوں دل اپنی اعتبار ڈھول

سُن میاں قاضی، دل نہیں راضی، کیا جھگڑا ہے لایا
اوّل عشق ہوا ہے رب کو جس نے رسولؐ اپنایا
دوئم عشق محمدؐ کو جس کلمہ پاک پڑھایا
اس کے بعد ان چاروں یاروں نے ہے صدق کمایا
اک دن میرے مرشد نے مجھ سے ایسے فرمایا
یہی طریقہ وحدت والا، خوش ہو کر اپنایا

دن کھیڑوں سنگ کئی گزارے اب ملوں میں رانجھن یار سے
میں درماندہ شاد ہوئی آئے جھونکے جب اس پار سے
اس جگ میں کیا دل کو لگانا، نہیں چھوٹی میں افترا سے
اس کا ٹھکانا افضل ہے چلوں چل کے ملوں دلدار سے
ہجر میں کب تک جان کھپاؤں دور رہوں اسرار سے
واقف ہوا اعتبار سے اپنے اور سچو کے اغیار سے

رانجھن چاک سڈایا کہیں نوں کوک سناواں
عبرت وچ اوہیں دے آہس جیہیں تختوں جھنگ پچایا
آدم دا کر جوڑ آئینہ آپ کوں ڈیکھن آیا
آبا شاہ، قیادت چاکر ایہو تاں ہنر ہلایا
بازیگر ہتی بازی کھیڈے بازی سیل بنایا
ظاہر باطن رسم اوہیں دا کیتُس کو نہ کنایہ
سمجھ سچو ہر ہک وچ سائیں جیں ڈیکھ تماشا لایا

کتھ بابُل کتھ مائی سیوڑی ہیں تاں رانجھن دے لڑ لگیاں
ہیں تاں رانجھن ہک ہتھوں سے کھیڑیاں نال جدائی
بیلے ویساں رانجھو والے چھوڑ بانی شاہی
بئی ہرکائی ماہیو جائی، ہیر عشق دی جائی
سچو آکھے سوز ماہی دا ڈیندا عشق گواہی

کس سے کروں فریاد کہ رانجھن خود چاکر کہلایا
یہ بھی سوچو کیسے تخت ہزارے سے جھنگ آیا
آدم کے شیشے میں دیکھو خود کو دیکھنے آیا
اس کا فن ہے راجہ تھا وہ اور چاکر کہلایا
وہ بازیگر، دنیا کو ہے بازی گاہ بنایا
ظاہر باطن اسم اسی کے کوئی نہیں کنایا
سچو، سائیں ہر شے میں، یہ کیسا کھیل رچایا

میں رانجھے کی ہیر اب کوئی بابل ہے نہ مائی
میں اور رانجھا ایک ہوئے کھیڑوں سے ہوئی جدائی
رانجھن کے سنگ جاؤں گی میں چھوڑ بیانی شاہی
ہر کوئی ماں پیے جایا لیکن ہیر ہے عشق کی جائی
سچو کہے کہ سوز ماہی کا عشق کی اصل گواہی

نہ جاناں نہ جاناں جوگی کیہے دیسوں آیا
اگے کڈاہاں نہیں سوڈٹھم صورت تاں نہ سنجاناں
کیوں کریندا اُستونی سیّاں نال میڈے کیہا ماناں
گل وِچ کفنی دست پھوڑا آ دُ ملیندیاں بھاناں
ایں ادھوا ای رانجھن آہس تیڈے در تے وِکاناں
مہنے طعنے سب لوکاں دے سچو ساہ سیباناں

کیا تھیوا ای وو کیا تھیوا ای آکھ سیّاں کوں کیا تھیوا ای
راتیں ڈیہناں رووِن تیکوں کوئی پورپریں دا بھیو ای
دوستی دی گالھ دِچوں ڈی آکھ تاں کیا ڈِٹھو ای
اساں بیالیں دِچوں باہر نئی ایں کیا کیتوا ای ٹسی کیا کیتوا ای
نصیحت اساڈی توں نہیں مینندی ایں ہوش ساہ اُہن گیوا ای
سچو پریں دے پار کنوں ساکوں ایہا سیتھا عشق آیوا ای

جوگی کون سے دیس سے آیا میں نے یہ نہ جانا
پہلے کب دیکھا تھا اس کو میں نے نہیں پہچانا
مان کرے کیوں مجھ پر سکھیو، مجھ کو یہ سمجھانا
گلے میں کفنی ہاتھ میں پھوڑا اس نے کس کو پانا
میں وہی رانجھن جس کا نصیبہ در تیرے بک جانا
بول سُنے وہ مشکل ہو گیا سانس کا آنا جانا

کیا گذری ہے تجھ پر اپنی سکھیوں کو ہی بتا
شام و سحر رونے میں گذریں لگا ہے غم تجھے کیا
عشق کے سودے میں ری سکھی کیا تو نے لیا کما
باہر ذات سیال سے نکلی کیا کیا تو نے کیا
بات ہماری کوئی نہ مانی بیٹھی ہوش گنوا
پریت نگر سے ملا سندیسہ عشق ہے تری دوا

رانجھن لے چل اپنے نال
نہیں تاں مر مر جاندیاں وے والا
عشق تساڈے ماریا نعرہ   جھنگ سیال بھی چھوڑم سارا
تخت ہزارے آندی آں وے والا
تیڈے کیتے پھراں اُداسی   دیس وگا سبھ رنگ سناسی
بہوں بہوں اِتھ ماندی آں وے والا
درد فراق جو میکوں ماریا   خویش، قبیلہ، وطن وِساریا
خون جگر دا کھاندی آں وے والا
توں تاں میڈے دل دا جانی   عشق گھتی ہے گل وچ گانی
جوگن بھی کر گاندی آں وے والا
گھت جدائی میکوں نہ ماریں   سچو سائیں توں نہ وساریں
پاندھی وچ پاندی آں وے والا

رانجھن لے چل اپنے ساتھ
نہیں تو جان سے جاتی ہوں۔ وواللہ

تیرے عشق نے نعرہ مارا   جھنگ سیال بھی چھوڑا سارا
تخت ہزارے آتی ہوں ــــ وواللہ

تیری خاطر پھروں اداسی   بھیس بدل کر بنوں سناسی
جان کو یہاں کھپاتی ہوں ــــ وواللہ

دردِ فراق نے مجھ کو مارا   بھولی وطن قبیلہ سارا
خونِ جگر کا کھاتی ہوں ــــ وواللہ

تو ہے میرے دل کا جانی   گلے میں تیری پیار نشانی
جوگن بن کر گاتی ہوں ــــ وواللہ

مجھے جدائی سے نہ مار   سائیں مت بن بھولن ہار
میں فریاد سناتی ہوں ــــ وواللہ

ساڈے گھر آیا..... آیا سوہنا، سدا آیا
اپنا وعدہ آپ پالیونیں اساں تاں درشن پایا
ڈسر گیو سے فلک، ہجر دا گل سجن چا لایا
معاف مدایاں سب کیتونیں یار سانوں پرچایا
آنگن میڈے ٹر آیا سو یلے مولی محب ملایا
سچل جیہیں دا سگ ہے اصلوں سر میڈے اُول دا سایہ

پہلے وسدا را نجھو یار اساں تمانیاں نوں اللہ ملیندا
تہیں دے عشق آرام ونجایا گیا سو صبر قرار
ڈدہیں جہانیں وچوں یار سجن دا عشق کیتم اختیار
رانجھن جیہا ہور نہ کوئی بیٹے کھیڑے لکھ ہزار
انگن اساڈے جے رانجھن آوے دل تھیوے باغ بہار
ہے سچو کوں سوہنے باجھوں رووں زاروزار

وہ دلبر وہ جانِ جاناں، گھر میں ہمارے آیا
خوب نبھایا وعدہ اس نے، ہم نے درشن پایا
ہجر کا دشت بھی بھولا جب ساجن نے گلے لگایا
سارے معاف گناہ کیئے اور دل میرا بہلایا
آئے تڑکے آنگن میں مولا نے محب ملایا
سچل میں سگ جس در کا اس کا میرے سر سایہ

رب سے آپ ملائے ہم کو ملے جو رانجھو یار
عشق تنا، آرام بھی لے گیا، لے گیا صبر قرار
دونوں جہان سے چنا ہے ہم نے تیرا عشق اے یار
رانجھن کا نہیں ثانی کوئی، کھیڑے لاکھ ہزار
رانجھن آئے گھر میرے جو، دل ہو باغ بہار
لیکن وہ نہ ملے تو سمجھو رونا زار قطار

جڈاں سمجھ پئی ہے دل کوں تاں ایہہ جگ سارا میں ای
جھنگ سیال بھی سیر اساڈا تخت ہزارا میں ای
ہر کہیں طرفیں دیکھ ونجایا عشق نظارا میں ای
محبت دے میدان دے اندر ماریا نعرہ میں ای
دل وچ دھماں عشق مچایاں نت چمکارہ میں ای
ڈوہاں جہاناں دے وچ سچو ہاں بے چارہ میں ای

سوہنے نال اساڈیاں اکھیاں اڑکن ہو اڑکن
غمزے رمزے یار سجن دے کڑکن ہو کڑکن
در تیڈے کنوں عاشقِ شودے پھڑکن ہو پھڑکن
سوز تیڈے کنوں برہے والے پھڑکن ہو پھڑکن
عشاقاں دے سر سولی تے لڑکن ہو لڑکن
برہا دیاں بھاہیں سچل دل وچ بھڑکن ہو بھڑکن

جان لیا جب دل نے تب سے یہ جگ سارا میں ہوں
جھنگ سیال بھی شہر ہے میرا تخت ہزارا میں ہوں
چاروں کھونٹ میں دیکھ بجایا، عشق نقارہ میں نے
منزلِ عشق پہ جا پہنچا تو نعرہ مارا میں نے
دل میں عشق نے دھوم مچائی نت چمکارہ میں ہوں
دونوں جہاں میں سمجھ لیکن اک بے چارہ میں ہوں

سوہنے سنگ ہماری آنکھیں اڑکیں ہو اڑکیں
یار سجن کے عشوے غمزے کڑکیں ہو کڑکیں
ترے در پہ ہجر کے مارے پھڑکیں ہو پھڑکیں
ہجر کے سوز سے تیرے عاشق دھڑکیں ہو دھڑکیں
عاشقوں کے سر سولی اوپر لٹکیں ہو لٹکیں
سچل ہجر کے شعلے دل میں بھڑکیں ہو بھڑکیں

نیناں دی عجب نگاہ دل ول ہوندیاں ہادی دے نال
ہادی سانوں ہتڑ ایہیں دی ایہا ڈکھائی راہ
اتھاں پھیریاں ڈے کر دہیاں آپ لہاں ہر گاہ
کِتلے تائیں نظر نہ آیا بن اللہ آگاہ
اکھیاں دے وچ سب کجھ آیا متاں تھیویں گمراہ
سچل تیتوں رمز ڈکھالی، ہادی تھیا ہمراہ

اوہی اندر اوہی باہر اوہی آیا مُو بمُو
ہر کہیں جا ظہور تہیں دا ہر کہیں کوچے سُو بسُو
آپ پھریندا لکھیں لباساں ہر کہیں خانے خو بخُو
اوہی روندا، اوہی ہسدا صاحب سوای ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُم ایہا بشارت جانب وسدا جُو بجُو
آپ کنوں کڈاں خیال نہ باہر سچل بہندا رو برُو

نین نہ بھولیں اس کا نظارہ واہ ہادی کی نگاہ
مرشد نے یہی راز بتایا' یہی دکھائی راہ
جو بھی جگ میں کیا ہے اس پہ ہو گی آہ یا واہ
بن اللہ کوئی نظر نہ آیا' جس کو کہیں آگاہ
آنکھیں سب کچھ جان گئی ہیں مست ہو نا گمراہ
راز کی بات بتا دی سچل مرشد تھا ہمراہ

اندر وہ ہے باہر وہ ہے وہ ہے میرے مُو بمُو
ہر جا جلوہ اس کا ہے ہر کوچے ہیں اور سُو بسُو
لاکھوں اس کے بھیس ہوئے ہر اک لیکن خُو بخُو
وہ روئے اور وہی ہنسے ہے صاحب سارا ہُو بہُو
وَهُوَ مَعَكُمْ' ہوئی بشارت وہ رہتا ہے جُو بجُو
سچل اس کا دھیان ہے ہر دم وہ بیٹھا ہے رُو برُو

نور بھریا رُخ پیارے دا اکلا پیارے دا دلدارے دا
میں نمانی ہیر جٹی توں صاحب تخت ہزارے دا
سوہنا مینوں اینویں بھاندا جیویں گل ہزارے دا
وڈڑے ویلے جو شاہ ملیا تھیا سبب ستارے دا
مستاں نوں سرمست جو کیتوا ای سچو کون بچارے دا

رانجھن نوں پرچائیں کھیڑا رُٹھا ماں گھولیا وو
میں رانجھن دی رانجھن میڈا کھیڑا کون بلائیں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا رانجھن سر دا سائیں
نال رانجھن دے کیوں نہ چراداں مجھیاں کٹیاں گائیں
ساہ سچو دا سوہنل کیتے منگدے بہوں دعائیں

رانجھو کھیڑا ڈوہیں میں ہاں ہیر رہی وچ کتھے کتھے
جھنگ سیال تے تخت ہزارا ڈوہیں ڈِٹھم اتھے ایتھے

دلدار کا میرے پیارے کا، رُخ نور منور پیارے کا
میں عاجز جٹی ہیر اور تو ہے صاحب تخت ہزارے کا
مجھے یار سجن یوں لگتا ہے جیسے ہو پھول ہزارے کا
جو نورِ سحر میں شاہ ملا، تھا کام وہ صرف ستارے کا
جہاں مست ہوئے سرمست وہاں کیا حال ہو اپنے چارے کا

کھیڑا روٹھا، صدقے کروں میں رانجھن کو پرچائیں
میں رانجھن کی رانجھن میرا کھیڑے کون بلائیں
لوک کہیں لے چاک مہیں کا میرے سر کا سائیں
سنگ رانجھن کے کیوں نہ چراؤں مجھیاں، کٹیاں گائیں
سچکل اس کے دم سے دم ہے مانگوں بہت دعائیں

رانجھو کھیڑا دونوں ایک تھے رہ گئی ہیر سیال کہاں
جھنگ سیال اور تخت ہزارہ دونوں دیکھے ایک جہاں

اساں بیو سے وچ اتھائیں ناں نہ کہیں دا تِتھے تِتھے
گم ہوئی بھی ہیرا اتھائیں موج وڈھی آہی بِجھے بِجھے
سچو صاحب ہکو آہا وال نہ کائی وِتھے وِتھے

چھوڑ بیانی شاہی دو ویں وطن رانجھو دے ولیاں
ہٹکے ہوڑے بابل بھائی متاں ڈیوے سانوں مائی
ست کھیڑے تھیساں راہی وو
سبھ سہیلیاں رل کر آندیاں تھی ایلازی پلو گل پاندیاں
گھن متیاں تھی ڈاہی وو
ادراں دے نال ماہی کیویں مٹھاں طرف رانجھو دے غنیاں پٹھاں
گھن کے قلم سیاہی وو
سچو دی دل تھی اداسی بے وس ہو کے پھرے سنیاسی
اصل کنوں ایویں آہی وو

جا کے بسے پھر اس کے دوارے جہاں نہ نام نہ کوئی نشاں
وہیں پہ ہیر تمام ہوئی تھی ڈوب گئی تھی موج جہاں
سچو، صاحب تو یکتا تھا رہا نہ فرق فراق وہاں

رانجھو سنگ میں جاؤں گی ہاں چھوڑ بیانی شاہی وو
روکیں ٹوکیں بابل بھائی اور سمجھائے ہم کو مائی
چھوڑ کے کھیڑے ہوں گی راہی وو
سب سہیلیاں مل کر آئیں گلے میں پلو ڈال سنائیں
چھوڑ دے راہ اس میں ہے تباہی وو
ان سنگ ماہی کیوں جانے دوں رانجھے کو بھیجی چٹھیاں بھیجوں
قلم پکڑ کر لے کے سیاہی وو
سچو کے دل میں ہے اداسی بے بس ہو کر پھرے سنیاسی
وہ تو ازل سے تھا ایسا ہی وو

میں تاں پھردی وتدی آں تیڈڑے نال
توں تاں تخت ہزارے دا سائیں میں تاں ہیر سیال
پائے رکاب تساڈی ہوساں، جیہے تیہے حال
توں تاں بے پرواہ جلیندا ایں ساڈی جوشاں دے وچ جال
اپنے دردا دلبر سائیں سچو سگ سنبھال

دولہن سائیں نہیں دلیاں کنوں دور، وو رانجھن سائیں
لوں لوں دے وچ ماہی وسدا نیناں دے وی حضور
ہردم حاضر ناظر ہیں ای یک مو فرق نہ مور
ڈس ایہو ای ہادی والا نورؐ علی نور
بات برہ دی آکھن مشکل، سچو رہنا صبور

میں ماہی دی مشتاق وسدا دل وچ دلبر جانی
برہ دے غمزے سوئیں ہزاریں گھتیو ای مارا خوانی

میں تیرے سنگ گھوم رہی ہوں گھومتی ہوں ہر حال
تخت ہزارے کا تو سائیں میں ہوں ہیر سیال
تیرے سنگ رہوں گی میں تو بُرے بھلے ہر حال
بے پرواہ تو، میرے چاروں اور ہے دُکھ دھمال
تیرے در کا کتا بچل سائیں اسے سنبھال

دولہا سائیں، رانجھن سائیں، دل سے نہیں تو دُور
روم روم میں رہتا ہے اور نینوں کے بھی حضور
ہر دم حاضر ناظر دیکھوں یک مُو تو نہیں دور
یہی تو دم ہے مرشد والا، نورٌ علےٰ نور
بات برہا کی کہنا مشکل بچو رہ صبور

دل میں بسے ہے دلبر جانی میں ماہی مستانی
بے حد دکھ برہا کے مجھ کو مار گئے اخوانی

عاشق ہوویں تاں سر ڈیویں گالھ ایہی مردانی
دائم دل وچ پاویں جھاتی، رمز لئیں روحانی
جان سجھو بن عشق رانجھن دے ڈوجھی سبھ نادانی

روح رانجھو دے رمزاں لٹیا کھیڑے کنوں بےزاریاں
ماہی دے مہنے جھولی جھلم چا تم سبھ خواریاں
میں تاں رہ گئی کول اوہیں دے محبت دی متماریاں
ہووان کنیزک، باتہوان بدھ کر، پا پلو کراں زاریاں
آتن وچوں طعنے ڈیون بڈھیاں توڑے کنواریاں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا میں تاں صدقے واریاں
لیسی گل اوہو جیں دے کارن وچ غماں دے گذاریاں
ساڈ گھتاں پچھے چرخے کوں میں تاڑیاں منیاں اڈاریاں
سجو چھوڑ گیاں سبھ سیائیں رانجھو پچھے میں قطاریاں

عاشق ہو تو سر دے دینا بات ہے یہ مردانی
دائم دیکھو شیشہ دل ہے رمز اس میں روحانی
سچّو عشق ہے رانجھن کا اور باقی سب نادانی

روح میری رانجھے پہ فدا ہے کھیڑوں سے بیزاری
میں جھولی میں ڈال رہی ہوں سب طعنے سب خواری
رہ گئی اس کے ساتھ ہی میں تو پیار نے وہ مت ماری
باندی بن کر گلے میں پلو، کرتی پھروں میں زاری
چرخہ کاتوں طعنے دیں کیا، پیسہ ہے اور کنواری
دنیا جانے چاکر اس کو، میں اس پہ ہوں واری
آ سینے سے لگائے گا وہ، جس کے غم میں گذاری
راکھ کروں چرخے کو جلا کر مٹھیاں اور اڑاری
چھوڑ گئی ہیں سبھی سیانیں میں رانجھو راہ قطاری

چھوڑ کے جھنگ سیال وے رانجھو ویندا رمز ڈلائی
پار دریاؤں جھوک رانجھن دی، رانجھو مجھیں دا مہینوال وے۔ ویندا لوک چھپائی
ساکوں جوگی جادو لایا، ویکھ مرلی دی تال وے۔ ویندا مونہہ چلائی
اکھیاں سوہنے دیاں بلن مشالاں، چمکن ہٹویں وال وے۔ چھپٹے اندر عشق سمائی
سچو بنج کھیڑیاں دی آئی، کھیڑیاں کنوں بھی خیال وے، مولا محب ملائی

جھنگ سدا خوش ہوسوں سوہنیاں دے نال
ناں سائیں دے، سوہنا سائیں وِدّق وچھوڑے دا وال
حیرت دے وچ پے گیوسے ویکھ چاکاں دی چال
اوڑے باڑے چیری آکھن پے گئی اے کیہڑے خیال
عمر بھائی یار سچو دی برہا کیتس برحال

تخت ہزارہ چھوڑ چھوڑ آیا ماہی میڈے سانگے
اکاں لیکھے چاک مجھیں دا، میڈے لیکھے حق توڑ آیا

رانجھن رمزیں نئی سمجھائے چھوڑ کے جھنگ سیال، رمزیں نئی سمجھائے
پار ندی کے جھوک ہے اس کی نبا ہے وہ مہینوال، لوگوں سے چھپ جائے
ہم پر جادو کر گئی اس کی مرلی کی ہر تال، ایسی تان اڑائے
زلف اڑتی ہے آنکھیں جیسے روشن کوئی مشال، چوٹ پیار کی کھائے
کھیڑوں کی بارات ہے آئی، کچھ کرو خیال، مولا یار ملائے

سدا رہوں خوش جھنگ، اگر جاناں ہے شریک حال
نام خدا وہ ورق جدائی کا کر دو پامال
ہم حیرت میں ڈوب گئے چاکوں کی دیکھ کے چال
ایرے غیرے کہیں دیوانی، کس کا اسے خیال
ساری عمر تو یار سچل برہا نے کیا بے حال

دلبر میری خاطر اپنا تخت ہزارہ چھوڑ آیا
لوگ کہیں اسے چاکر، میرا حق سے رشتہ جوڑ آیا

تخت ہزارے دا جوگی آیا، بیاں کنوں مونہہ موڑ آیا
اساں تے ایتھا ہک تھیوے ذات کھیڑیاں دی بوڑ آیا

رانجھن دیہڑے آیا ہے، ہل پیا وچ کُل سیالیں
گل وچ کفنی، ہتھ پہوڑا تہیں کیا بھیکھ بنایا ہے
جیڈے تیڈے رانجھن سائیں کھیڑا کہیں کھڑایا ہے
ایڈوں اوڈوں سیّاں آکھن چوچک چاک بنایا ہے
صورت دے وچ بیچو سائیں آکے آپ سمایا ہے

بھلا جانی کیہیاں کیہیاں تیں سانوں تاہنگاں لائیاں
ہک بئے پچھوں حسن دیاں فوجاں ویکھو چڑھ چڑھ آئیاں
آون دیاں وت دیس اساڈے تھیاں سوہنے دیاں وایاں
وڈڑے ویلے ویلیاں اُتھائیں جتھے سوہنے دیاں جایاں
ہر ہر عشاقاں نوں تساں بیچل برہ پڑھائیاں

جوگی تخت ہزارے کا سب اپنوں سے منہ موڑ آیا
ہیں اور رانجھو ایک ہوئے کھیڑوں کی آن کو توڑ آیا

شور مچا ہے جھنگ میں، رانجھن ہیر کے گھر میں آیا ہے
گلے میں کفنی ، ہاتھ عصا یہ کیسا بھیس بنایا ہے
چاروں اور میں رانجھن دیکھوں کھیڑا نظر نہ آیا ہے
سکھیاں بولیں، جوچک نے رانجھن کو جاک بنایا ہے
سچو رانجھے کی صورت میں صاحب آپ سمایا ہے

جانی پیارے تو نے کیا کیا دل میں آس جگائی
موج کے پیچھے موج ہو جیسے، حُسن کی فوج ہے آئی
اپنے دیس میں اس کے آنے کی پھر خبر ہے آئی
صبح کو میں وہاں جاؤں گی جہاں اس نے جوت جگائی
تو نے سب عشاق کو سچل، ہجر کتاب پڑھائی

ہُن کیوں کیتی ہئی بے پرواہی
عشق تاں تیڈے صبر دسا ریا خونی خنجر بھر کے ماریا
شاہد سارا جگ الاہی
آپ کوں چا دور کیتو ئی دل اساڈی چا چور کیتو ئی
من تیڈے وچ اصل دی آہی
دامن تیڈڑے آمیں بئی آں ہوش عقل کوں ہن پیں گئی آں
بخش گناہ اساکوں ماہی
در تیڈے تے مکھیں سوالی گل وچ پہریم پہرن والا
سچو جیہے تیڈے مکھیں سیاہی

یار دسے پاروں آئے آئے ڈاہڈے ڈو ڈراپے
اتھاں عتاباں سنوری سیاں عشق دے پیچ مچائے

کیوں کی ہے بے پرواہی
تیرے عشق نے صبر گنوایا خونی خنجر دل میں مارا
شاہد سب جگ ہے الٰہی
ہم سے خود کو دور کیا، دل یہ چکنا چور کیا
تیرے اصل کی دل تھے گواہی
تیرے دامن آن لگی عقل سے کوسوں دور ہوئی
اب بخش دے میرے ماہی
تیرے در پر لاکھ سوالی پہنے ہوئے ہیں پہرن والی
ترے پیچھو سے لاکھ سپاہی

یار کی خاطر کیسے کیسے طوفان ہم پر آئے
ان طوفانوں نے ہی عشق کے شعلے آ بھڑکائے

خاطی دے ہتھوں آن مُتھونیں جیں سبھ حال سنائے
نال سنن دے مونجھ وی پیوسے برسے بوندپھائے
اوہیں دیہاڑے سچل نمانے انگ بھبھوت رمائے

لائی کیوں دل لائی تساں پردیسی نال
نال تیڈے میں اصلوں لائی ہتھیوں نہ توں دُکھی بھائی
یار مسافر چوٹک لائی مت تیکوں کیہی آئی
آون جاون دی سُدھ ناہیں دلبر دل گیا چائی
الٹ پلٹ دی گالھ ہے سچل سبھ ایہا توں وائی

اساں یتیماں نوں کیوں وسار یو ای
تیڈے ڈیکھن کیتے بہوں سکدی آں
کنھوں کوکاں کنھوں آکھاں سیف ہجر نال ماریو ای
دکھ ڈوراپے تیکوں ڈیساں جیں دم نال گذاریو ای
یار سچل تیکوں مُکھ وکھلایا تہیں کوں زونہکا ڈیو ای

قاصد نے سب سخن تمہارے ہم کو آن سنائے
حال سنا تو کتنے گہرے زخم اس دل پر آئے
اس دن سے سچلؔ پھرتا ہے انگ بھبوت رمائے

آنکھ لگائی پردیسی سنگ کیونکر آنکھ لگائی
دُکھی نہ ہونا میں نے تو بس عشق کیا ہے بھائی
بار مسافر کر گیا وار اور سمجھ نہ تجھ کو آئی
سدھ بدھ بھولی جاتے یار کی جھلک نظر نہ آئی
الٹ پلٹ کی بات سچلؔ ہے، سمجھ لے تو نے پائی

ایک تمنا دید کی تھی پوری بھی نہ کی اور یار گئے
کس سے کروں فریاد وہ مجھ کو ہجر کی سیف سے مار گئے
مجھ سے پائے دکھ ان لمحوں جو تم یہاں گذار گئے
سچلؔ کب دکھلائے گا منہ جس کو ہم تو پکار گئے

تیڈیاں اکھیاں لعلوں لال شوقی یار شرابی ہوندیاں
بانہاں بدھ کر دور کھڑ دون کیتی ڈیکھ کلال،
ڈیکھ پتنگ پرواز کریندے تیڈا مکھ مشال
دلیاں والے سودے دے وچ ڈد نہیں نین دلال
سچل صفت تمام نہ تھیوے پھردی آں بئے تاں خیال

تخت ہزارے دا شاہ میاں رانجھا دامن تیڈے لگی ہاں
جوگی تھی کر پھرے سیلانی رہندا بے پرواہ میاں رانجھا
تیڈے باجھوں نال کھیڑیاں دے نہیں سوٹھیندا ٹھاہ میاں رانجھا
نال کرم دے، دید مہر دی میں توں مول نہ لاہ میاں رانجھا
نام اللہ دے آپ سنجانیں سنگ سچو دا نباہ میاں رانجھا

تیں سے میڈڑی جان رانجھا دو تیں تے میڈڑی جان
عشاقاں توں دل کیوں چاتیوئی، عالم وچ گمان

یاد شراب سے آنکھیں تیری لعلوں سے بھی لال
کیف ایسا کہ باندھ کے ہاتھ کھڑے ہیں دور کلال
تیری مکھ مشعل کو دیکھ کے پروانے بے حال
دل کے سودے میں تو دونوں نین بنے دلال
سچل صفت کریں کیا اس کی، دے نہ ساتھ خیال

تیرا دامن پکڑا ہے اے تخت ہزارے کے شاہ میاں رانجھا
جوگی ہے، سیلانی ہے نہیں اسے کوئی پرواہ میاں رانجھا
تجھ بن کھیڑوں کے سنگ میرا ممکن نہیں نباہ میاں رانجھا
مجھ پہ کرم کر، مجھ کو عنایت مہر کی ایک نگاہ میاں رانجھا
نام خدا پہچان مجھے ہاں سچل سے بھی نباہ میاں رانجھا

تو میری ہے جان رانجھا تو میری ہے جان
منہ عاشق سے کیوں پھیرا دنیا کو ہے شک گمان

جاندا ہیں توں میں تاں تیڈڑے قدماں توں قربان
راتی ڈیہناں دلڑی اساڈی درد کیتی دیوان
عشق تیڈڑے کنوں یار سچو دی ہوئی جند حیران

سانوں متیاں بہن دیاں نہ ڈیلو ویں تاں جھوک ہا دی جاندی آں
طعنے تہمت یار دے کر کے ہار گیچی وتح پاندی آں
ذوسیاں انجھو نال میں بہساں کھیڑیاں وچوں نہیں جاندی آں
راتیں ڈیہناں یار دیاں گالھیں گلی گلی وتح گاندی آں
سچو رانجھن دل نوں بھاندا ہور کہیں کوں نہ بھاندی آں

تو جانے مجھے میں ہوں تیرے قدموں پر قربان
دل کیا ہے ترے ہجر کا قصہ درد کا اِک دیوان
یار سچل تیرے عشق میں میرا جیون ہے حیران

صبر کی مت تلقین کرو میں تو جھوک رانجھو کی جاؤں
طعنوں کے میں ہار پروؤں، اپنے گلے سجاؤں
سکھیو رانجھن سنگ رہوں میں کھیڑے چھوڑ کے جاؤں
آٹھ پہر میں اس کی یاد میں گلی گلی میں گاؤں
سچل مجھ کو رانجھا بھائے نہ ہی غیر کو من میں بساؤں



سی حرفی

الف آگ لگی سانوں عشق والی، قاضی اوڑ گلاں وو ڈسیندا ایں
ساڈی دل تاں تخت ہزارے ڈھول مسلے جوڑ کے آپ ٹُھیندا ایں
ونج بڈ مر ملاں منجھ لویں، کنوں راہ سچی وو گھسیندا ایں
منگیں خیر کھیڑیاں دی وو کیہڑی گالھوں انجھو یار اساں توں کُھسیندا ایں

ب بحر برہ دے وو زور رکھیا میڈی ذات سیال سائی لڑھ گئی
کتھے جھنگ تے ننگ ناموس رہیا پچھے چاک دے میں اجڑ گئی
دل دردمنداں دی چو بھار والی حکماں حکم سا غمزے نال لئی
مہنے ماہی دے سے قبول کیتم، جے کائی تھیونی ہائی سچو سائی تھئی

ت ترک ڈیہاڑے میثاق دے میں تاں رہیاں ذات سیال کنوں
توبہ توبہ تے استغفار کیتم خوشی نال کھیڑیاں دے خیال کنوں
ہک دم نہ فارغ میں ہوساں، جانی یار رانجھو دے وصال کنوں
ڈو جھی کار نہیں میڈی دل اُتے سچو یار دی سار سنبھال کنوں

ہمیں آتشِ عشق جلاتی ہے قاضی کیا سخن سناتا ہے
دل تختِ ہزارے میں اٹکا، یہ مسئلے اپنے بناتا ہے
مُلّا پہ عذاب ہی نازل ہو، مجھے سچی رہ سے ہٹاتا ہے
کھیڑوں کی چاہے خیر، ہم سے رانجھے کا ساتھ چھڑاتا ہے

یہ سیلِ بلا تھا ہجراں کا ناموسِ سیالاں اس میں گیا
میں چاک کی خاطر اُجڑ گئی نہ جھنگ نہ ننگ ناموس رہا
پُرسوز تھا دل یہ پہلے ہی پھر عشق کا حکم بھی آ پہنچا
سچو جو ہونا تھی ہو کے رہی میں نے ہر ہر طعن قبول کیا

وہ روزِ الست تھا جب میں نے کی ترک یہ ذات سیال اپنی
کھیڑوں سے میں دامن کش گذری ان سے نبھنا تھی محال اپنی
اِک پل کے لئے بھی چھوٹے نہ رانجھو سے راہِ وصال اپنی
سچو بن رانجھن کار نہیں وہی سُر اپنا وہی تال اپنی

ث ثابت ساڈڑی دل ہوئی راتاں ڈینہہ بیتیاں رانجھے یار ڈھول
اوہیں دم لاکوں اج توڑی ویکھو میڈا خیال تاں تخت ہزارڈھول
"الستُ بِربکم" ڈوہیں بک ہوئے ڈتم گوش اوہیں اقرار ڈھول
بھنا شک گمان سچو دا سارا دل آپئی ایہیں اعتبار ڈھول

ج جند چھٹ گئی میڈی جھنگ کنوں ہتھ ڈدگیاں ودسیالیاں جی
لاہاں نال بنگھوڑا دو ساڑدیواں گھتاں اگ دے وچ نہالیاں جی
سبھے جان رہو دُ دو خیال ایہو ہین چاک دے عشق دیاں چالیاں جی
سچو رکھ سنبھال توں جوہے نی برہ والیاں گوڑھیاں گالھیاں جی

ح حال تے ہل ہے سیالیاں وچ چوچک کنے کیہا اج چاک کھڑے
غلبہ عشق اوہیں تے کیڈا کیتا تہیں دے جا بجا پھر دے پڑھے
سینگی ہیر سیال اساڈی آہی تہیں دے نال ایہیں دے وین اٹھے
ڈوہیں سرناگاہ جو آڈیکھو محبت والے سچو کیڈے لڑھے جڑھے

سکھیو مرا دل تو نہال ہوا دن رات ہے من میں رانجھن یار
اس وقت سے لے کر آج تلک دل میں ہے سمایا تخت ہزار
پابند ہوں میں نے جو بھی کیا تھا روزِ الست وبلیٰ اقرار
ٹوٹا ہے شک گمان سبھی سچو کا، ہے پکا قول قرار

ہاں جھنگ اور جھنگ سیالوں سے مری جان بچی میں بھر پائی
سامان جلا کر خاک کروں، لگے آگ یہ من میں ہے آئی
اسرار و رموز یہ عشق کے ہیں کچھ تجھ کو بھی ان کی سمجھ آئی
یہ ہجر و فراق کی رمزیں ہیں سچو ہیں متاع تنہائی

چوچک نے چاک رکھا کیوں کر یہ پوچھ رہے ہیں سیال کھڑے
یہ عشق کا کیسا غلبہ ہے دیکھا ہے جسے ہر رہ میں کھڑے
ہاں ہیر سہیلی اپنی تھی پر مین اس کے کہاں جا کے اڑے
سچو دیکھ محبت والوں کے سر کتنی اوج پہ آج چڑھے

خ خویش قبیلہ دُھل گئے رانجھو نال میڈا ڈاہڈا خیال پیا
رنگپور کھیڑیاں دے وو شال کوئی سُناں ہیں تاں سگھیڑا کال پیا
تھیون غار سبھے ڈو غرق اُتھاں کیہا جھیڑیاں داو وبال پیا
اساں یار ماہی ڈو ہیں ہک ہوئے ہر ویلے سچو وو وصال پیا

د دل ہک آہی ساڈی یار ڈھوں ڈو جھی ہوئے تاں اُدہائیں عام ڈیوا
برہے ذات میڈی ساو ساڑ ڈتی بھٹھ ہک واری ننگ نام ڈیوا
ساڈے طرف اُڈائیں وینداکوئی نہیں جیکوں ترپر دلے پیغام ڈیوا
بانہاں بدھ بھوں میں زاری کراں سچو دوست ڈھوں میں سلام ڈیوا

ذ ذات سیال ہیں مُنڈھوں نہ ہی کوں چوچک؟ تہیں ڈا ادراج کیہا
جو ہی نال ہک یار دے ہک جھی تہیں ڈا آکھ قاضی، بیا کاج کیہا
جہیں کوں عشق رانجھو دے کڈھ نیتا تہیں کوں ادراں ڈا احتیاج کیہا
دل ہک آہی، ماہی یار نیتی دت کھیڑیاں جھیڑیاں ڈا ووڈاج کیہا

گیا بھول قبیلہ خویش ہمیں رانجھو کا ہر دم خیال رہے
سُنوں خبر کہ رنگپور کھیڑے میں سدا قحط رہے اور کال رہے
ہو جائیں سارے غرق وہاں یا سب کے سر پہ وبال رہے
سچو یار اور میں تو ایک ہوئے دونوں کا سدا وصال رہے

دل ایک تھا نذرِ یار کیا، ہو اور تو اُس کو عام کروں
اس عشق میں ذات گنوا بیٹھی کیا فکرِ ننگ و نام کروں
آئے نہ کوئی جائے نہ کوئی کیا پریت کا یہ پیغام کروں
سچو عرض میں باندھ کے ہاتھ کروں میں یار کو عرض سلام کروں

نہ ذات سیال رہی میری نہ میں جاوں جو چک راج ہے کیا
میں ساجن کے سنگ ایک ہوئی یہاں قاضی کا بھلا کاج ہے کیا
جسے اس کا عشق ہی لے کے اُڑا وہ اوروں کی محتاج ہے کیا
دل ایک تھا دے دیا ماہی کو کھیڑوں کو مجھ سے کاج ہے کیا

ر ردرانجھو دے بین ہو رہیاں کوئی ادر نظر نہیں آوندا جی
ندی دے کنارے ڈرڑے ڈیلے ونجھلی سوز کنوں وو وجاوندا جی
اللہ آپ جانے ماہی یار مینوں بناں گل کنوں ادہو بھاوندا جی
اوہیں رانجھوا تو تیں سچو صدقے تھیواں انگن اساڈے جداں پیر پاوندا جی

ز زور گھتیا برہ باری ڈاہڈا میں مست دیوانڑی ہو رہی
ہُن رنگ بھبھوت جولا کھڑا دل ہاسے دیوانڑی ہو رہی
رانجھو کتھ اساں وت کتھ رہے نینہڑے دی ودنشانڑی ہو رہی
اوہیں کیتے اداس بیراگ پھراں سچو مونجھ متانڑی ہو رہی

س سبھ سیالیں چھوڑ گیاں ڈیکھ ڈیکھ اساڈڑا حال وی
شرم بوڑ دیوانڑی ہو رہی گھدی رانجھو دے عشق کمال وی
راتیں ڈیہاں اوہیں وت چاک ڈہوں کھڑے دم بدم خیال وی
منت ساڈڑی مول نہ گھنسی اوہا دلن پھیوں سچو بے مجال وی

میں روبرو ہو گئی رانجھے کے مجھے اور نظر کیا آتا ہے
وہ ندی کنارے وقتِ سحر کس سوز سے بنسی بجاتا ہے
خود رب جانے کُل جگ اندر مجھے ایک وُہی تو بھاتا ہے
میں سچو صدقے رانجھو پر جب میرے انگنا آتا ہے

اس ہجر نے زور وہ باندھا ہے میں مست دیوانی ہو کے رہی
وہ رنگ بھبھوت لگا آیا مجھ کو حیرانی ہو کے رہی
وہ اور کہیں میں اور کہیں بس پیار نشانی ہو کے رہی
سچو اس کے لئے بیراگن ہوں غم میں مستانی ہو کے رہی

مجھے ساری سیانیں چھوڑ گئیں یہ دیکھ کے میرا حال ہے کیا
گئی شرم حیا، دیوانی بھئی رانجھو کا عشق کمال ہے کیا
شب و روز اسی میں غلطاں ہیں اس چاک کا حسن خیال ہے کیا
سچو اس کا مُڑنا محال ہوا سمجھائیں اسے یہ مجال ہے کیا

ش شور جیں عشق مچایا ڈاڈھا جن عقل دالی دو صلاح کیہی
راہ عشق دی سچی تاں ہیں گِھدی تساں سجھ آکھو ڈوجھی راہ کیہی
رانجھو یار میڈے سِر دا سائیں کھیڑیاں بھیڑیاں ڈوں نگاہ کیہی
پئییاں باہر ننگ ناموس کنوں ہن آکھ سچو دو پِتاہ کیہی

ص صدق ساڈا رانجھو یار ڈھوں نہیں کھیڑے بھیڑے کوں میں لیکھدیاں جی
نظر غیر دی اساں توں ٹٹ گئی جتھ کتھ ماہی توں سو ڈیکھدیاں جی
سو رنگ دے وچ رنگ لا لکھڑا دم دم کرسے لکھ بیکھدیاں جی
بے مٹھیاں گوڑھیاں گالھیاں نی سچو سنیں اساڈے شیخ دیاں جی

ض ضرور کھیڑیاں دا دو میکوں نہیں رانجھو یار میتوں گل لا رہیا
سُنو سب سیالیاں تُوں تُوں سہا جند جان دے وچ بیچ پا رہیا
کائی غیر دی جا نہ رہندی اُتھاں سدا یاد ہو دو سما رہیا
سچو آپ سا دا دو محیط تھیا جتھ کتھ دو جا سجا رہیا

ہاں عشق کا شور ہے زوروں پر اب عقل کی کوئی صلاح نہیں
ہیں عشق کی راہ پہ چل نکلی کہو باقی کوئی راہ نہیں
رانجھو میرے سر کا سائیں ہے کھیڑوں کی اور نگاہ نہیں
سچو سچ بیٹھیں ناموس کو جواب ان کے لئے تو پناہ نہیں

مرا صدق و صفا تو رانجھا ہے کھیڑوں کی نہیں پرواہ کوئی
کوئی غیر رہا نہ آنکھوں میں اس بن نہ رہا اب شاہ کوئی
رنگ اس کا جدا سو رنگوں میں پل پل اس کا واہ واہ کوئی
سچو اس کی باتیں رمز بھری ہو جیسے سخن کا شاہ کوئی

کھیڑوں سے نہیں کوئی کام مجھے رانجھو نے گلے لگایا ہے
ایک ایک بیان سن لے اب مرے روم روم میں سمایا ہے
کسی غیر کی جا نہ رہی کوئی مری روح پہ بھی وہ چھایا ہے
سچو مجھ پہ محیط ہوا رانجھو مرے سر پہ اس کا سایا ہے

ط طلب میڈی رانجھو یار ڈھوں کھڑا ہوسی ندی دے کنارڑے جی
عشق لاون کیتے ساڈے طرف سیاں آیا کنوں سو تخت ہزارڑے جی
چھبارا جھوڑئیں جھنگ آ کھڑا، اساں طالب مفت نظارڑے جی
خواہش آپ بکیں ڈیکھن سیالیاں دی ساڈا آئل نہیں اختیارڑے جی

ظ ظاہر ساڈڑا عشق تھیا میڈے تے پچھوں سیالیاں دھکی لائی
ڈیکھن آیا اساڈوں جھنگ سارا آکھیں سبھ دیوانی ہوئی جائی
مائی باپ بگھوڑے دے وچ تیکوں دعا بیراں فقیراں توں منگی کائی؟
ایہو حال ہویا دو سیال تیڈا ایجو برہ تساکوں الٹی پائی

ع عشق دریا کیتی موج کھڑی کندھی ڈسدی اُتے تے کا نہیں
اندر شوق مچایا دو شور ڈاہڈا ایہیں زور جھلن دی جا نہیں
ایہا دل آباد نہ تھیسی کڈاں جہیں دل دے وچ ہا نہیں
میڈا خیال خلاصہ دو یار ڈھوں ہک سینگیاں سچو ساڈے سانہیں

رانجھو کو بھی طلب مری آئے گا ندی کنارے وہ
اس عشق کی ریت نبھانے کو چھوڑ آیا تخت ہزارے وہ
ہم سائل مفت نظارے کے آ جھنگ میں روپ سنوارے وہ
مراد خل نہ تھا، آیا تھا سیالوں کے کرنے نظارے وہ

جب ظاہر مرا عشق ہوا سیالوں نے مجھے بدنام کیا
مجھے دیکھنے آیا جھنگ سارا دیوانوں سا جو کام کیا
ماں باپ نے رب سے میرے لئے یہ کیسا طلب انعام کیا
تقدیر میں اُلفی لکھی تھی پیچھو ہیر کا کیا انجام کیا

جو عشق کے دریا سے اٹھی اس موج کی خاص تو شان نہیں
جو غلغلہ اس نے ڈالا ہے اس کی سی کسی کی آن نہیں
جہاں حرکت، ہمت، درد نہیں وہ دل آباد مکان نہیں
مرے خواب و خیال میں اک وہ ہے سکھیوں کا نام نشان نہیں

غ غم لتھا رانجھو یار ملیا پچ کھیڑے بھیڑے بیزار تھئے
اساں دوست ڈُدیں جن ہک ہوئے کھیڑے سبھ خراب خوار تھئے
ڈیکھن نال ماہی دے وو دل میڈی ڈُوجھے نین تاں باغ بہار تھئے
حاصل سبھ مدعا وو اساڈی جوئی سچو خیال میڈا مختار تھئے

ف فاش تھیا راز عشق والا تنبو تناتاں ونج صحرا لگیاں
پچھن وچ ادہے کیتے ڈینہہ ہویاں ہن ڈیکھوں تاں جا بجا لگیاں
زمیں سرزلوں نہ تھیسی کڈاں بادیاں بادوڈے برپا لگیاں
ہُن نینہہ دا مار نغارا اتھاں سچو ویکھ تاں ونج ہوا لگیاں

ق قرب سانوں رانجھو یار ڈِتا وچ جھنگ سیالیاں نہ تے بنیاں بھی بھوں
راتی ڈیہناں اساڈڑی ہو رہی دم دم ہکا دل چاک ڈھوں
عاماں نال پرودے پاک جاہیں کڈاں مول نہ ٹھہرا ٹور ٹھبوں
قدماں نال سچو سچے یار دے فی اینویں عمر سبھا جوڑا جوڑ رہوں

غم ٹل گیا رانجھو یار ملا کھیڑے ہم سے بیزار ہوئے
ہم دو تھے مِل کر ایک ہوئے کھیڑے سب جگ میں خوار ہوئے
دل خوش ہوا یار کے درشن سے مرے نین یہ باغ بہار ہوئے
مجھے حاصل اُوز حصول ہوا سچو کیسے کرم مختار ہوئے

جب کھل گیا عشق کا بھید وہاں صحرا میں فصلِ بہار آئی
پھر عشق کا چرچا عام ہوا ہر چشم ہی مستِ خمار آئی
تھا ہجر کا بارِ گراں لیکن دھرتی یہ بوجھ سہار آئی
سچو اک نعرۂ حق تیرا پھر خلقت دیکھ ہزار آئی

کتنی تھیں سیالیں جھنگ والی پر یار نے ہمیں ہی چاہا ہے
پل پل اس چاک کے نام کیا جیون بھر پیار نبھایا ہے
جو عالم تھے وہ شاد ہوئے مرے رب نے یوں ہی چاہا ہے
سچو رونق یار کے دم سے ہے جیون ہمیں کرنا چاہا ہے

ک کار سبھا وو وسار ڈتی عشق چاک دے ہیں مستان کیتی
ادر گالھ اساں کنوں بچک پئی دل درد ڈاہڈے دیوان کیتی
خاطر ڈیکھ ساڈی وو وہزار والی ہو ہو اینویں حیران کیتی
قربان اساں سجھنے یار اتوں سچو سا سبھو جند جان کیتی

ل لوک سارے بدنام کیتم ویکھاں یار ڈھوں خوش حال دلی
دل لُٹ نیتی ساڈی چاک سیاں ڈو جھے طرف نہیں میڈا خیال دلی
میں گھول گھتاں سر اپنا بھی اُتوں دوست پیارا جھنگ سیال دلی
سچو روز ازل کنوں منگ گھدا ایہو ہادی والا حال دلی

م مست کیتی دل چاک میڈی ہُن گیئی آں شرم حیا کنوں
رانجھو ہک ہووے شالا ہاں اُتے مینوں توبہ سیالاں دے سا کنوں
آپے بھج گیئاں ہکو جیڈیاں نی ڈاہڈے عشق دے تکھے تا کنوں
ڈیکھ حال ساڈا سبھ حیران تھیاں سچو پاسا کرن نیہہ دے ناں کنوں

سب دھندے مجھ کو بھول گئے اس عشق میں میں مستانی ہوں
سب باتیں چھوٹ گئیں مجھ سے دل کے ہاتھوں دیوانی ہوں
اس تخت ہزارے والے کے طعنوں سے میں حیرانی ہوں
سچو اس یار کے سر صدقے میں سرتا پا قــــربانی ہوں

لوگوں نے کیا بدنام بہت پر میں اسے دیکھ نہال ہوئی
اس چاک نے لوٹ لیا ہے دل میں اس کے خواب و خیال ہوئی
اس پہ مری جان و دل صدقے، قربان یہ جھنگ سیال ہوئی
سچو روزِ ازل سے مانگا تھا میں ہادی والے حال ہوئی

دل چاک نے ایسا مست کیا اب شرم و حیا سے کام نہیں
اک رانجھو میرے ساتھ رہے مجھے اپنے قبیلہ سے کام نہیں
ہم عمر تھیں جو سب بھاگ گئیں انہیں عشق ادا سے کام نہیں
حیران تھیں میری حالت پر انہیں نام وفا سے کام نہیں

ن نال گھنن تاں یار دے نی ہوواں جان جسم دنچ ہیں تا دوڑی
ہکے رانجھو یا ہجوں بئے لوک کنوں اساں دوستی والی سبھ گالھ توڑی
بابل، مائی، بھائی بیزار تھیون انہوں آکھ گئے "اساں ایہا جھوڑی"
سچو حمد شکر ہزار کیتم، چاک نال اساں دنج محبت جوڑی

و والگی کائی وحدت والی تہیں سبھ گالھیں وسار ڈتیاں
جیہڑیاں حرص ہوا ہوس والیاں باتاں سیف "الا" دی مار ڈتیاں
جو گالھیں حق الحق آکھیاں اُتے دل دے جما اعتبار ڈتیاں
باطل والیاں اشارتاں مرشد سائیں سچو ویکھ تیکوں اظہار ڈتیاں

ہ ہوش ساڈا رانجھو یار ڈھول بئے لوک کنوں بے ہوش نہیاں
طعنے ڈیون لکھ ہزار میکوں طرفوں چاک دے ڈیکھو سبھ سیاں
جھل پل کیتی وسیالیاں دی میڈے در اُتے کیڈیاں دھماں پیاں
پردہ توڑ بیٹھیں ہیں باہر ایتھوں سچو یار میں تاں ہُن دسوں گیاں

اس نام میں کیسا جادو ہے وہ نام جپوں تو جی جاؤں
ہے ترکِ تعلق اب سب سے اک رشتہ رانجھے کا پاؤں
کیا بابل، میا، بھائی ہیں میں چاک کے جوڑے جُٹر جاؤں
صد شکر سچوؔ اس ذات کا ہے جس در سے فیض اس کا پاؤں

ہر بات بھلا ڈالی اس نے کیسی یہ ہوائے وحدت ہے
یہ الا اللہ کی سیفت جسے سب حرص و ہوا سے نفرت ہے
جو باتیں حق الحق کی ہیں ان سے مرے دل کو ہمت ہے
سچوؔ رمز ہے مرشد سائیں کی، باطل کے فنا کی علت ہے

ہمیں ہوش رہا اک رانجھو کا کسی اور کا کوئی دھیان نہیں
سکھیوں کے لاکھوں بول سہے بجز چاک مرا ایمان نہیں
یلغار سیالوں کی مجھ پر تھی، منزل یہ آسان نہیں
دنیا سے پردہ چھوڑ دیا اب کوئی عذابِ جان نہیں

ی یار رانجھو جڈے کڈے ہویا ہر جا وچے ہک جا نہیں
ڈوجھی راہ رنگیلی تہیں نوں جائیں ہادی آپ آکھیا اور کا نہیں
آپ چھوڑتے خود خدا رہیں اور بات اس کوں بھا نہیں
سچو سمجھ نہ لائق رکھیں ایہا عشق والی سر و پا نہیں

رانجھو یار نے کیا کیا راہ وکھی اس راہ بناں کوئی راہ نہیں
مرشد نے کہا کہیں اور گئے تو تم سا کوئی گمراہ نہیں
تم آپ خدا بن کر بیٹھو یہ ڈھنگ تو خاطر خواہ نہیں
سچو ایسے عشق سے باز آنا یہ راہ تو کوئی راہ نہیں

الف آمیڈی دل چا نیستی جی جا نہیں ہا میاں
اٹکا اکھیں، دکھ لا گئوں، پھر آ کے کجھ لا میاں
کائی دا گھلی سیاں سا چھوڑیا طعنے ڈیون وادا میاں

ب بس سیاں کنوں رس نہیں، روح وس نہ میڈے وس میاں
جیڑا جس نہیں پر دس پیاں خاطر کس گئوں کیوں نس میاں
ہیں کس سیاں دے ڈس نہیں، لگی کس نہ کائی چس میاں

ت تات تیڈی، وائی وات میکوں، تھیویں ساتھ نہ ڈیکھیں ذات میاں
سُن بات سوہنا، ہیہات ہوئی ڈیہاں راتاں آویں پربھات میاں
تسلات ڈیویں، مصلات کائی میکوں درد لایا ای بھاتوں بھات میاں

ث ثابت سار سنبھار تیڈی اندر عشق کیتا انتظار میاں
کئی لکھ ہزار دو یار تیڈے پیتے رو دن زار و زار میاں
تیڈی تار لگی دلدار مینوں، ہک وار دی بے اختیار میاں

الف آ کے لے گیا دل میرا نہیں شور کی اب تو جا میاں
لڑے نین اور غم سوغات ملی کوئی بات بھی آن سنا میاں
سنگ چھوڑ گئیں، طعنے دیں سکھیاں کیسی چلی ہے عجب ہوا میاں

پر لطف نہ سخن سہیلیوں کا، نہیں روح پہ میرا بس میاں
من چین نہیں کیوں چھوڑ گئے غیروں میں ہوں بے بس میاں
کیا ترک جو سنگ تھا سکھیوں کا اس سنگ میں بھی نہیں جس میاں

ترے عشق کا چرچا عام ہوا، دو ساتھ نہ پوچھو ذات میاں
اسی ذکر میں کٹ گیا دن سارا ہوئی رات پھر پربھات میاں
مرے سوہنے سجن مرا ہاتھ پکڑ، غم دے گیا ہے بھانت بھانت میاں

ترا حسن نظر مجھے جاں بخشے، ترے عشق نے کیا نزار میاں
ترے ہجر میں گریہ کناں دیکھے تیرے چاہنے والے ہزار میاں
مجھے بے بس کر کے مار گئی، یہ تیری لگن دلدار میاں

ج جال میڈے توں نال سوہنا برحال تھیویں توں بحال میاں
ورق وال وچھوڑے دا، گالھ سنیں، اپنا آپ کریں بھلا بھال میاں
پیا دوج جنجال دے حال میڈا، بئی کیہی کراں قیل قال میاں

ح حال خیال دی تیکوں آگہ دل کیوں نہ لئیں وسنبھال میاں
سن سوال ساڈا کریں بھال بھلا، تھیسے سکدیاں مینوں سال میاں
ردلال کیتم اکھاں خیال تیڈے کیتا برہ تیڈڑے بے تال میاں

خ خواب گیا کنوں تات تیڈی، کیتا برہ ساکوں بےتاب میاں
توں شتاب آویں، ڈیویں آب میکوں سائیں کھول نقاب حجاب میاں
تیڈے نینہہ نواب، کباب کیتم کوئی نہیں عتاب خطاب میاں

د دم دانہ نہیں غم کنوں، ہڈ چم وایا تیڈے واہ سائیں
ہمدم تھی گھتیں نہ خم اتھاں، سارا کم میڈے در جوڑ جائیں
جاویں چم نہ بھی میں طالب تم، نہیں کوئی شرم، عاشق گل لائیں

اب شرط ہے ساتھ نبھانے کی اے صاحب جاہ و جلال میاں
کر پاک اوراق ہجراں سے یہ میری کتاب حال میاں
میں قیل و قال سے گذر چکی، کچھ پڑا ہے وہ جنجال میاں

آگاہ ہے میرے حال سے تو لیتا نہیں مجھ کو سنبھال میاں
اب مان سوال اس عاجز کا کئی رو رو گذرے سال میاں
رو رو کر آنکھیں لال ہوئیں بے سُر ہوئی ہیں بے تال میاں

ترے دھیان میں نیند بھی خواب ہوئی ترے ہجر میں ہوں بے تاب میاں
دے آبِ وصال شتابی سے اور کھول یہ بندِ نقاب میاں
ترے ہجر میں میں تو کباب ہوئی، نہیں کوئی بھی حدِ عتاب میاں

کوئی سانس نہیں غم سے خالی، تن داغ ہوا تری فرقت میں
ہمدم ہے تو مجھ سے دور نہ رہ کر شامل وصل کی عشرت میں
بوسہ نہ سہی سینے سے لگا، نہیں شرم کی بات محبت میں

ذ ذوق تیڈا ساکوں شوق لگا، طعنہ لوک ڈیوے نت چوک میاں
نینہڑے لوک لگی محبت موک لاتھوا ورال پھوک لا ون ساکوں ڈوک میاں
تیڈا طوق گھتیم گل یا نہیں والا سوہنا سوز کیتا ساکوں سوک میاں

ر راہ کھڑا ار داح تیڈے چت چاتی سنجھ صباح میاں
واہ واہ سنبھال توں آہ کنوں میڈے نال سوالاں دی پیا میاں
پنڈ پا تھیا تیں ماہ کیتے میڈی دل دی ہئی آگاہ میاں

ز زار روداں تیں یار کیتے تھیوے کار نہ کائی زردار میاں
ڈوں چا دیئے دلدار تیکوں جی جا رہیا دلدار میاں
گفتار سناں ہک وار تیڈی تھیوے دل تاں باغ بہار میاں

س ساری آکھاں گل یاری والی تیں نال کریجے وزاری میاں
باری برہ وہائی کاری ساکوں گل چا گھتیوئی گاری میاں
واری یار تیں توں سو واری ونجاں دوستی وچ گھتیں متاں گھاری میاں

اس عشرتِ عشق نے یار مرے دنیا میں کیا بدنام میاں
یہ تیر ترازو دل میں ہوا، کیا عشق سے زیرِ دام میاں
یہ طوق گلو کی زینت ہے، تن سانس پہ ہے الزام میاں

ترا رستہ تک تک بیکل ہوں ہو سانجھ سماں کہ صباح میاں
ہاں مجھ سے دامن کش رہنا مرے سنگ ہے غم کی سپاہ میاں
شرما گیا ماہ ترے آگے ہے دل اس سے آگاہ میاں

تری یاد میں کیا کیا روئی ہوں نہیں کار سے کوئی کار میاں
محبوب کئی ہوں گے بے شک نہیں تجھ سا کوئی دلدار میاں
گفتار سنوں اک بار تری تب دل ہو باغ و بہار میاں

ترے سامنے عرضِ حال کروں ترے سامنے نالہ و زاری میاں
یہ ہجر کے دار و رسن جو ہیں میری جان پہ کتنے بھاری میاں
آ سکے فرق نہ اپنی یاری میں سو بار میں تجھ پہ واری میاں

ش شام صبح آرام نہیں، پیغام پٹھیوئی نہ سلام میاں
اکھیں خواب تمام حرام کیتا، آون دا نہ کیتوئی انجام میاں
انعام غلام دیدار تھیوے، کریں یار قبول کلام میاں

ص صورت آواز نیاز کنوں بانہاں بدھ کھڑیں بے نیاز اگوں
اتھاں ناز کنوں توں باز آویں تیڈا راز پوے کارساز اگوں
تن ساز کریں آواز رگاں، کرتی صفت تے دل نواز اگوں

ض ضرر شر دنج عاشق، تھیا شیر شکر بھی سبھ تاں زہر میاں
شہر بحر دے وچ تنھاں دا ہو کا پھریا ہل غل ہویا اندر باہر میاں
ایہناں عاشقاں کنوں نظر گذرا ایہا بئے وہم تھئے در بدر میاں

ط طور ڈاہڈی پر شور ایہا زوری نال گھتے سوئی زور میاں
گھم گھور تنہن وچ جفا جوریاں، ہنیرڑے نال اوہیں تھیند اہو رمیاں
جنھاں کیف کلال کٹوریپیتا او ہناں برہ بھایا بور میاں

آرام نہیں ہے شام و سحر ترا پیام آیا نہ سلام میاں
کیا وعدۂ وصل ہوا تیرا، ہوئی مجھ پر نیند حرام میاں
انعام میں دے دیدار مجھے کر میرا قبول کلام میاں

میں باندھ کے ہاتھ کروں زاری اس بے پرواہ کے پاس میاں
بانا آجا بے پرواہی سے تیری پوری کرے رب آس میاں
گر مجھ کو نوازے ماہ رخا! پھر میں ہوں سراپا سپاس میاں

عاشق ہے خسارے میں ہر دم اسے شیر و شکر بھی زہر میاں
ہاں اس کے طفیل ترا چرچا ہوتا ہے اندر باہر میاں
تجھے ڈھونڈتی پھرتی ہیں نظریں نظروں پہ دھم کا قہر میاں

شوریدہ سری تری شور کرے نہیں عاشقوں کا کوئی زور میاں
یہ عاجز بے کس بندے ہیں تو سر تا پا ہے جور میاں
جو دُردِ تہہ ساغر پی لیں انہیں ہجر نے مارا اور میاں

ظ ظلم جہول ظہور کیتا، منظور ہویا پُر نُور میاں
ایہہ مصحف وِچ مذکور ہویا معروف ایہو مشہور میاں
چک چور امانت عشق کیتا سر سُولی سُٹیا منصور میاں

ع عشق اجہل کیا عقل لگے توڑے کرے عقل تحمل میاں
کوئی پل نہ سوئی تحمل کرے بھنے برہ داڑ دیکھ بدل میاں
تہن داہی عمل اصل ڈاہڈا اندوہ دے وِچ مشعل میاں

غ غازی چڑھے سر سُولی راضی، بانکے کیہی کیتی سربازی میاں
آزی کر دوڑادن تازی اتھاں، وت کیا کریسن قاضی میاں
کہیں دے حال نہ مِنین تے ماضی ایہے ہی سُرخیاں سرفرازی میاں

ف فال ہیئی عشق دے حال والی سر آدم سائی برحال میاں
حمال تھئے وِچ خیال ایہیں کیتس حال جنجال کمال میاں
کشال چائس احوال کنوں کائی سر تیس امثال میاں

ہے ظلم و جہول تو تاریکی اور نور کی صفت ہے نور میاں
یہی مصحف میں مذکور بھی ہے معروف بھی اور مشہور میاں
یہ عشق امانت جس نے کیا وہی سولی پر منصور میاں

کہاں عشق کہاں ہیں عقل و خرد منزل ہے الٹ دونوں کی میاں
کہاں عقل کو ہجر کی ہمت ہے عیار ہے بھیس بدلتی میاں
ہے ایک عمل ہی حقیقت جو ناری بھی ہے اور نوری بھی میاں

غازی ہیں جو دار پہ راضی ہیں کس وجہ سے سر کی بازی میاں
وہ تازیوں کے اسوار ہوئے کیا کریں گے اب قاضی میاں
ماضی کا کہا کب مانتے ہیں یہی ان کی سرفرازی میاں

جب قرعۂ عشق پڑا آدم کے نام، تھا حال کمال میاں
حیران فرشتے پھرتے تھے کیا اس کا تھا جنجال میاں
دکھ درد مصائب سوز و الم تھی اس کی کوئی مثال میاں؟

ق قال تے باہر حال کنوں، نہیں خاص جانو بے خیال میاں
الحال وصال احوال دسے وچ وت ڈیکھیں جوڑ جمال میاں
ڈینہہ رات جنہیں دی دسنبھال تیکوں باجھوں ایہیں کہی مجال میاں

ک کائی نہیں بئی جائیکوں باجھوں ہادھو، نہیں وا میاں
اکھیں لا اتھاں بر پا کریں ایہو ڈیکھ سارا سر دیا میاں
سر آڈیویں، چت چا اتھوں عاشق اوہ بازی نہ بنا میاں

ل لُٹ نینوں نی بہلی ست میڈی دل چیٹ اُلٹ پلٹ میاں
سانوں بھٹ گھتیونی زلفاں وٹ سوہنا میڈا اوہ نیتو نی پٹ میاں
جُٹ لاکے سیاں پچھے ہٹ ہیاں طعنے ڈیون سانوں سٹ میاں

م مار تراز فراق والی میکوں مار گئیوں دلدار میاں
بئی پار اُروار دو یار تیڈی لنگھ نیتہہ والی وو نظار میاں
ہوشیار ہزار ہلاک تھیون جنہاں آ ڈِٹھا چمکار میاں

کہنے کی نہیں پر بات ہے یہ، ہے سارا وہم خیال میاں
اس حال وصال میں حسن بھی ہے اس میں ہے سارا جمال میاں
دن رات اسی کی یادیں ہیں اس بن جینا ہے محال میاں

یہی شور شرابا ہاؤ ہو نہیں اس کے سوا کوئی اور میاں
یہیں آنکھ لڑے یہیں مجنوں ہوں یہیں چلتا ہے عشق کا دور میاں
یہیں سر دینے کی بازی ہے نہیں راہ کہیں کوئی اور میاں

دل لوٹ لیا، پھر زخموں سے سینے کو کیا ہے داغ میاں
زلفوں میں قید کیا، اُجڑا پھر روح کے سکوں کا باغ میاں
سکھیوں نے بہت سمجھایا تھا، طعنوں کے دیئے پھر داغ میاں

ترے ہجر فراق کے دکھ سارے مجھے مار گئے دلدار میاں
ہم عشق کے دریا میں ڈوبے یہی شور ہے آر اور پار میاں
تھے لاکھ ہشیار یہ مارے گئے سب دیکھ ترا چمکار میاں

ن نسنگ چاڑھیوئی غمزے کٹک سان تے سٹک لا فتح ساری ملک لیوے
لٹک نال میڈی دل چٹک نیتی کنہن دی پھٹک نہیں اٹک کون ڈیوے
وٹک نال زلفاں ڈاہڈا دام گھتیا جند جان میڈی جانی جھٹک نیوے

و وار کہیں توں نہ یار آسیں اقرار کریں سچا نال میڈے
ہنجوں ہار پوتا جی جار پیا اسرار کیتو ئی، لگوں گال میڈے
اختیار میڈا منڈھوں یار نہیں ہکے وار آویں اج کال میڈے

ہ ہوش وچوں مد ہوش تھیاں ڈیویں گوش میڈے وخروش ڈیہوں
سرپوش تھیویں آغوش میڈے آون والی کریں بے ہوش ڈیہوں
ہل جوش گھتیا دار و نوش تیڈے کائی گھت نگاہ آغوش ڈیہوں

ی یار آیا دل پار میڈے جنسار کرے سینگار میاں
اسرار وچوں اظہار ہویا انہاں دیداں ڈٹھا دیدار میاں
ہیجکل سار سنبھار وو جنھن دی آہی سوئی ڈیس ملیا دلدار میاں

بے باک تھا دھاوا غمزوں کا پھر ان کو ملی ہے کمک میاں
مرا دل تو وہیں تسخیر ہوا باقی نہیں کوئی اٹک میاں
زلفوں کے دام میں جان پھنسی جانی کب دے گا جھٹک میاں

جو وعدۂ وصل کا دن ٹھہرے وہ پکا ہو اقرار میاں
ترے ہجر میں بیٹھ پروتی ہوں اشکوں کے کیا کیا ہار میاں
تکرار نہ آج اور کل کی ہو آ جاؤ بس اک بار میاں

باتیں میں تمہاری سن سن کر ہوں ہوش میں بھی مدہوش میاں
آغوش میں آ کر چھپ جاؤ سرمست کرو بے ہوش میاں
مے ہجر کی شور شرابا ہے کرو وصل سے اب خاموش میاں

وہ حسن سراپا بن آیا جی خوش ہوا دیکھ کے یار میاں
اسرار سے جو اظہار ہوا آنکھوں نے کیا دیدار میاں
جس روپ میں اس کو سوچا تھا اس رنگ میں ملا دلدار میاں

الف آب اوا گھ کول وا گی ایہیں واڈاہڑی کائی موج مارٹیس
تہیں موج دی کوئی انتہا نہیں چھولی چھوہ کنوں اسمان چاڑھیس

ب بحر برہ دے دو یار چاڑھے کالے کُن کیتے کڑکار ڈاہڈے
ڈو ڈاٹ ڈیوچ گھو گھاٹ لگے سر سی سر ڈے تھئے تنکار ڈاہڈے

ت تن تے من ڈسار ڈتیس لہریں نال آہے ڈو نہیں لڑھ گئے
ڈڈکار کیتا دریا ڈاہڈا پار و پار تہیں ڈے پرواز تھئے

ث ثابت پچھے اثبات کنوں باقی جان رہے دو غلام کتھے
کتھے نیک کتھے بدنام رہیئے کتھے کفر کتھے اسلام کتھے

ج جوش آند البحر وحدت والے تھئی موجاں کھڑیاں گونا گون کیہیاں
ایہے موجاں جانیں سبھ صورتیاں وچ واہ جلوہ گریاں و و عجب جیہیاں

چلی تیز ہوا تو موج اُٹھی پھر جانے اس پر کیا بیتی
دھرتی سے اُٹھی تھی اور سرِ افلاک وہ پل میں جا پہنچی

اس بحر میں وہ طوفان اٹھا موجوں کی فلک تک مار ہوئی
بازی تھی سروں کی میداں میں اور کتنے سروں کی ہار ہوئی

انہیں تن من کی سُدھ بُدھ نہ رہی اور دونوں غرقِ آب ہوئے
دریا کے شناور تھے تو نہیں پر جرأت کا اک باب ہوئے

اثبات سے ہی ثابت ہوگا با ہوش تھے کتنے غلام ترے
کہاں کفران کا اسلام کہاں وہ نیک تھے یا بدنام ترے

جب جوش میں آیا، وحدت کے ساگر میں کیا کیا موج اُٹھی
ہر موج میں کیا کیا مورت تھی ہر موج میں کیا کیا جلوہ گری

ح حال ہادی حق الحق سانوں بخشا، راہ ڈکھا ئس بار بارا
تصویر ڈے وچ اجسامیاں ڈے اوہ بحرِ عمیق سموندا سارا

خ خیال خبر ایہا پچھے ڈتی تحقیق ماریوئی اختیار سکھے
تھئی کثرت موجاں وچوں ڈیکھو یار و دریائے وحدت دو نکے

د دل میڈی کوئی دور کھادا عالم موج سارے نظر نہ آوندے جی
میڈا خیال خمار وہا گیا سینے وچ سموند سماوندے جی

ذ ذات سبحان صفات وچوں پچھے ذات صفات ہکائی ہیئی
ایہا آکھ صفات تاں کتھوں آئی ہکا ہک جائیں دو بھائی اہئی

ر رُخ پیار رنگ اُتے تھئی موج کھڑی چھولیں چھول پیئے
خس خارا تارا وڈھا ڈتس سارا بحر وچوں بدنیک گئے

اس ہادی حق الحق نے ہمیں کیا سیدھی راہ دکھائی تھی
دکھلائی دنیاداری بھی اور ساگر کی گہرائی بھی

پھر حال حقیقت ہم پہ کھُلا یہ بات سمجھ میں تب آئی
یہ موجیں، کثرت وحدت کی، وحدت دریا کی گہرائی

دنیا نے دیئے وہ رنج والم مستی کا کہیں منظر ہی نہ تھا
سرمستی من کی ایسی تھی کئی ساگر من میں گئے سما

پہچان لو اس کی سب صفتیں وہ ذات تو ایک اکیلی ہے
یہ روپ سروپ ہیں کیا کیا کچھ یہ دنیا ایک پہیلی ہے

جب ساگر میں طوفان اُٹھا رخ روشن ہوا حقیقت کا
خاشاک کا واں پہ ذکر ہی کیا نیکی کا بدی کا فرق مٹا

ز زور تے بحر زخار آندا تہیں وچوں تھیا کوئی نطقار کھڑا
اوہیں شور مچایا آسمان تائیں دِسکار دا تھیا وو غبار کھڑا

س سیر ایہیں دا جہیں سیر کیتا تہیں دی جند ساری ناپید تھئی
کِتھے نام و نشان نسب تہیں دا "من" "ما" دچوں لے دی پھوک گئی

ش شور مچایا وو موج ڈاہڈا ہئے زور چلن دی وو جا نہیں
برابر زمیں اسمان کیتیں ڈِتی کنی تہیں دی وو کا نہیں

ص صورت گم ہوئی وو ساری لہریں پیلپیئے وو چڑھ پئیاں
کائی خبر انہاں وو پوندی نہیں نور و نور دیاں ندیاں آ نیاں

ض ضرب بحر دی وو زور لگی ہکے وار وجود اوڈار ڈِتُس
"میں" دی ہک رتی کتھ رہندی اُتھاں سارا نام نشان اتار ڈِتُس

جب جوش سمندر میں آیا اس میں تھا کوئی نظارہ کھڑا
وہ شور تھا اس کا، جو، بن کر افلاک تلک تھا غبار کھڑا

دی جان اسی نے جس نے ہمارے دل کو اطمینان دیا
نے نام و نسب نے حیات کوئی نہ اس نے کوئی نشان دیا

وحدت کے سمندر کی موجیں کیا شور مچاتی پھرتی تھیں
دھرتی سے لے آکاش تلک کوئی فرق رہا تھا؟ نہیں نہیں

وحدت تھی کثرت میں کھوئی کثرت کی موجیں چڑھ دوڑیں
ان چڑھتی نور کی ندیوں میں سب اصلی باتیں کھو ڈالیں

اس بحر کے ایک تھپیڑے نے اس ہستی کو ہی مٹا ڈالا
اس "میں" کی رتی کیا رہتی اس بستی کو ہی مٹا ڈالا

ط طالب وچ عمیق پئے ڈوہیں کندھیاں اہیں کنوں ٹھل گئیاں
پچھے دس اوہیں دا دو کوئی نہیں موجاں موج تکھیریاں آ پئیاں

ظ ظاہر دی ایہا بات نہیں جو آیا اوہیں کوں ایہا سُدھ پئی
پچھے سُدھ والا موجود نہیں دوئی والڑی گالھ نکال گئی

ع عشق عمیق دریا وچوں آئی موج ہکا ماریا نعرہ ھُو
تے ہیں ہک آہس اور کوئی نہیں "انا الحق" دا ہیئی نعارا ھُو

غ غش غرلق دے وچ تھیاں کتھ جسم رہیا کتھ جان کتھے
کتھے شکل رہی کتھے عقل رہیا کتھے فہم کتھے اوسان کتھے

ف فکر فنا دا کیوں نہ رکھیں تا ملک بقا باللہ لئیں
چھوڑ آپ کوں آپ وسار سارا جائیں ہک خدا لے رنگ رہیں

جنہیں طلب تھی اس گہرائی کی موجوں کے سہارے چل نکلے
موجوں نے ہی ان کو گھیر لیا ان کے سارے کس بل نکلے

ظاہر تھی اس کی وحدت بھی دوئی کی کوئی بات نہ تھی
جو آیا تھا یہ سمجھ جاتا اس کے پیچھے کوئی گھات نہ تھی

اس بحر سے موج اک اٹھی تھی تھا اس کا ایک ہی نعرہ ھُو
تھا ایک انا الحق کا نعرہ اور وہی تھا پھر نقارۂ ھُو

تہہ دریا غرق تو ہونا ہے پھر جسم کہاں اور جان کہاں
کہاں شکل رہے کہاں عقل رہے کہاں فہم رہے اوسان کہاں

جب یہ جگ سارا فانی ہے پھر فکر فنا ہو کیوں دل میں
باقی ہے نام خدا جس کا رنگ ایک نہیں اس محفل میں

ق "قل ہو اللہ احد" ہئی، جانیں سمجھ سنجانیں کوئی اور نہیں
کھڑ وحدت دے دریا دے وچ ایہو آپ ہے دی ٹور نہیں

ک کتھ توڑی میں چھپیاں، ایہا گاکھا دی والی حُسن چھپدی نہیں
جیسی ظاہر آویں آپ ایہا، پئی زور اساں کنے لگدی نہیں

ل لہریاں بحریاں زور پیاں، دس کوئی نہیں میں لڑھ گئی
ڈاہڈیاں موجاں چڑھیاں بہہ والیاں اُتھاں ہستی گم ساری جاں موج تھی

م مے پیون نال موج چڑھی کوئی خم ادہیں، دو حسن مار ڈتا
مدہوش کیتس کل ہوش گیا ایہیں عیش سارا اعتبار ڈتا

ن نام نشان اتار ڈتس گئے رنگ ہمہ بے رنگ رہے
غوطہ مار کے جو ای غرق تھئے آزاد کنوں رنگ رنگ تھئے

کہو ایک ہے رب کوئی اور نہیں اسی روپ میں اس کو جانو تم
ہے روزِ ازل سے دریا میں ہر بھیس میں اس کو مانو تم

جو بات بتائی مرشد نے وہ بات چھپاؤں میں کب تک
اس کا چھپنا اب بس میں نہیں ہو جائے گی ظاہر وہ سب تک

میں موجِ بلا میں بے بس تھی مجھے ساتھ بہاتی لے نکلی
نہیں کوئی وجود مرا باقی میں بحر کی موج میں موج ہوئی

یہ موج اٹھی مے پینے سے اس خم نے کتنا خمار دیا
ہم پہنچے یقیں کی منزل تک جب ہوش کو سر سے اتار دیا

نہ نام و نشان رہا باقی سب رنگ گئے بے رنگ ہوئے
جو غرق ہوئے ان موجوں میں، اُن موجوں کے وہ سنگ ہوئے

و دا لگی تھی موج کھڑی، بحر زور پیے چھولیاں چھٹک پئیاں
ایہا ہکل ماریں، انا البحر آکھیں باداں دیاں ندیاں تیز پئیاں

ہ ہادی عبدالحق سائیں سچی راہ سانوں سمجھا گیا
تساں غیر نہیں سراپا جانیں او ہو آپ ہیں پرچا گیا

ی یاد رہیاں گالھیں وحدت دیاں جھیڑیاں آپ ہادی فرماڈتیاں
سچو حق ایہیں کل شک بھنے اوہیں رازدیاں گالھیں جماڈتیاں

چلی تیز ہوا تو موج اٹھی ہر چیز اس میں نابود ہوئی
ندی نے کہا میں سمندر ہوں، مسعود ہوئی محمود ہوئی

مرا سائیں عبدالحق ہادی اک سیدھی راہ دکھلا گیا وہ
ہم آپ ہیں وہ کوئی غیر نہیں یہ بات ہمیں سمجھا گیا وہ

جو مُرشد نے بتلائی ہیں یہ باتیں دل پہ بٹھائی ہیں
سچو حق نے شک کو مٹا ڈالا یہ باتیں کیا سمجھائی ہیں



فارسی

- غزل دیوان آشکار
- رباعی "
- مثنوی عشق نامہ، وصلت نامہ

گر بخوانی دو صد ہزار کتاب
مے شود بر تو صد ہزار حجاب

جز محبت ہمہ ست گمراہی
اے بجز درد زندگی ست عذاب

ایں طریقہ کدام مے باشد
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت و نہ حساب

آشکارا گذر ز مذہب ہا
در رہِ عشق چہ گنہ چہ ثواب

پڑھ بھی لے گر تو صد ہزار کتاب
آڑے آئیں گے صد ہزار حجاب

جز محبت ہے ساری گمراہی
ہو نہ گر درد، زندگی ہے عذاب

یہ طریقِ حیات کیسا ہے
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت اور نہ حساب

آشکارا گریز مذہب سے
عشق کی راہ میں گنہ نہ ثواب

در ہر دو جہاں شرارِ عشق است
زیں شمس و قمر بہارِ عشق است
از کرسی و عرش تا ثریٰ ہم
ایں جملہ مرغزارِ عشق است
بینی بجہاں چوں خوبرویاں
دانی کہ ہمیں نگارِ عشق است
جز یار دگر طرف نہ بیند
آں دیدہ کہ پُرخمارِ عشق است
تاجِ سرِ ماست آشکارا
آں خاک کہ رہگذارِ عشق است

دونوں جہان میں ہے فقط عشق کا شرار
یہ شمس یہ قمر ہیں سبھی عشق کی بہار
عرشِ بریں سے خاک کی پاتال تک جو ہے
ہر ہر جگہ یہ عشق کا پھیلا ہے مرغزار
دنیا میں دلبرانِ پری چہرہ دیکھئے
ہر اک پہ ہے گماں کہ ہے یہ عشق کی نگار
جُز جانِ جاں کسی پہ بھی پڑتی نہیں نگہہ
اِس آنکھ کی کہ جس میں بسا عشق کا خمار
اے آشکار اپنے تو سر کا وہ تاج ہے
جو رہگذارِ عشق میں ہے خاک کا غبار

مے کشد عاشق بر اہش انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
کارِ عاشق روز و شب باشد ہمیں
اشکبار و اشکبار و اشکبار
آں کسے کز خود رہد مردِ خداست
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم داشتن عشّاق را
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
مے شود عاشق ز عشقش دمبدم
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سرِّ مخفی رازِ پنہاں فاش شد
آشکار و آشکار و آشکار

اس کی رہ میں عاشقوں کا انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
روز و شب عاشق کا کاروبار ہے
اشکبار و اشکبار و اشکبار
"میں" سے جو نکلا ہے وہ مردِ خدا
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم کا کرم عشاق پر
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
عشق نے ہر لحظہ عاشق کو کیا
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سِرِّ مخفی، رازِ پنہاں فاش ہے
آشکار و آشکار و آشکار

مے زنم نعرہ انا الحق آشکار
اندریں آخر زماں منصور وار
کوسِ منصوری بکوبم در جہاں
گر رود سر، خوشترم باشد نثار
ہر کہ محروم است از اسرارِ عشق
کے شود از عاشقانِ دلفگار
نوبتِ آں بادشاہی مے زنم
شہریارم، شہریارم شہریار
سدِّ اسکندر بود ایں جسم و جاں
بشکنی فتحت شود اے نامدار

میرا نعرہ ہے انا الحق آشکار
اس زمانے میں ہوں میں منصور دار
کوس منصوری بجاؤں روز و شب
سر اگر جائے تو میں اس کے نثار
جو رہا محروم سرّ عشق سے
کب ہوا وہ عاشق سینہ فگار
نعرہ زن ہوں نوبت منصور پر
شہریاری مجھ سے، میں ہوں شہریار
جسم و جاں تو راہ کی دیوار ہیں
توڑ کر ہو فتح مند، اے نامدار

مے کنم از عشق در ہر کوچہ و بازار رقص
چونکہ مے آید تن و جاں را ازاں اسرار رقص

از نوائے چنگ و نے طنبور شیدا مے شود
دم بدم شد زاہدا در خواب در بیدار رقص

از وظائف از لطائف معرفت حاصل نہ شد
روز و شب از درد و غم مشغول اندر کار رقص

گر بیائی سوئے ماہ شدار از خود مے روی
اندریں مے خانہ چوں مستاں کنی یک بار رقص

وقتِ حالت نیست ہر دم تا بدانم کے شود
آشکارا ہم چوں شہہ منصور کن، بر دار رقص

عشق کے ہاتھوں ہم نے کیا ہر کوچے ہر بازار میں رقص
تن من جان اسرار گئے گو طرز رہی اظہار میں رقص
ایک نوائے چنگ و نے کے تم تو ہوئے ہو شیدائی
رقص کرو گے خواب میں بھی اور لمحۂ بیدار میں رقص
کیسے وظائف، کیسے لطائف، ان سے بھید نہ پاؤ گے
شام و سحر اس رنج و الم کا ساتھ ہو گا تکرار میں رقص
مستوں کی محفل میں آنا ہے تو خود کو بھول کے آ
اس مے خانے میں تو جاری ہے بس ایک ہی تار میں رقص
وہ تو مقام نہیں ہے لیکن کیا جانوں کب آ جائے
دار پہ ہو منصور کی صورت میری ہر رگ تار میں رقص

در دیدۂ معشوقاں اسرار ہمے بینم
را جلوہ گری حُسنش اظہار ہمے بینم
درکون و مکاں باشد حقّا کہ ظہورِ او
در دیرِ خراباتی دیدار ہمے بینم
ایں جُملہ تجلّیِ او گر دیدہ بکشائی
دیوار چہ دروازہ آں یار ہمے بینم
اے شیخ گرو باید تسبیح و مُصلّا را
یک لمحۂ نورِ شش در زنّار ہمے بینم

محبوب کی آنکھوں میں اسرار کو دیکھا ہے
اس حُسن کے جلوے میں اظہار کو دیکھا ہے
یہ کون و مکاں بے شک اس کا ہی تو جلوہ ہیں
اس دیرِ خرابی میں دلدار کو دیکھا ہے
کھول آنکھ، نگاہوں میں یہ اس کی تجلّی ہے
دیوار ہو یا در ہو، اس یار کو دیکھا ہے
اے شیخ گرو رکھ دے تسبیح و مصلّا کو
اس نور کو دیکھا ہے زنّار کو دیکھا ہے

بزرگی، پارسائی را نہ دانم
عداوت آشنائی را نہ دانم
کہ گم گشتیم در دریائے حیرت
ہماں جا چوں چرائی را نہ دانم
چوں رفتم از تنِ خاکی بیک بار
بہ بے خود، خود نمائی را نہ دانم
بگیرم راہِ عشق و درد و غم را
ہماں زہد ریائی را نہ دانم
اگرچہ شعلۂ نورش بہ بینم
سیاہ و روشنائی را نہ دانم
کجا رفتم ز خود رفتیم بارے
گدائی بادشائی را نہ دانم

بزرگی پارسائی کو نہ جانوں
عداوت آشنائی کو نہ جانوں
میں گم دریائے حیرت میں ہوا ہوں
جہاں چوں اور چرائی کو نہ جانوں
تنِ خاکی کو جب یکبار چھوڑوں
تو بے خود خود نمائی کو نہ جانوں
مری رہ، عشق کے رنج والم ہیں
میں اس زہد ریائی کو نہ جانوں
اگرچہ اس کا شعلہ دیکھتا ہوں
سیاہی، روشنائی کو نہ جانوں
بچھڑ کر خود سے میں جانے کہاں ہوں
گدائی بادشائی کو نہ جانوں

دِلا لقائے خدا ہست لقائے درویشاں
دِگر فنائے بباشد بقائے درویشاں

بپیچ روئے ز دروازۂ گدایاں، تو
بباش روز و شباں در قفائے درویشاں

مرو بمجلسِ شاہاں کہ جائے پُر خلل است
مگر کہ بے خلل است ایں بنائے درویشاں

بسوئے دنیائے دوں میل دل نمے آرند
کہ ہست طائفہ بے ریائے درویشاں

مباش دُور دمے زاں گروہِ خاص الخاص
اگر زما پُرسی خود خدائے درویشاں

ببیں جماعتِ مردانِ آشکارا تُو
مگر کہ مرد شوی از دعائے درویشاں

دِلا لقائے خدا ہے لقائے درویشاں
فنا بھی ہے تو ہے وہ بھی بقائے درویشاں
نہ منہ تو پھیر کے جا محفلِ گدایاں سے
قیام شام وسحر کر قفائے درویشاں
خلل سے خالی نہیں مجلسِ شہاں، مت جا
جو بے خلل ہے تو وہ ہے بنائے درویشاں
جہانِ سفلہ کا کوئی گلہ نہیں کرتے
کہ ہے یہ طائفہ بے ریائے درویشاں
نہ ایک پل کے لئے ان سے تم جدا ہونا
جو ہم سے پوچھو تو خود ہے خدائے درویشاں
یہ اک جمعیتِ مردانِ آشکار ہے
جو مرد ہے تو بفیضِ دعائے درویشاں

نہ من دیندارِ بے دینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ از آنم نہ از اینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ ہندیم، نہ سندھیم نہ پنجابی نہ دکھنی ام
نہ من از ملکِ قسطینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ عربی ام، نہ شامی ام، نہ مصری ام نہ رومی ام
نہ از چینی و ماچینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ شیرازی نہ حلبی ام نہ ایرانی نہ تورانی
نہ من از خاکِ غزنی ام چہ مے دانید اے یاراں
بہر مظہر نگار آمد، نہاں بُد آشکارا آمد
عجب اسرار مے بینم چہ مے دانید اے یاراں

بے دین ہوں دیندار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
اِس پار کہ اُس پار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہندی ہوں نہ سندھی، نہ پنجابی ہوں نہ دکھنی
نے تُرکِ طرحدار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
عربی ہوں نہ شامی ہوں نہ مصری ہوں نہ رومی
اور چین کا انکار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
شیراز و حلب، فارس و توراں سے نہیں ہوں
عزفی کا نہ پردار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہر رنگ میں وہ ہے کہ نہاں ہے کہ عیاں ہے
میں دیدۂ اسرار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ

آں یارِ ما بصورتِ انساں بر آمدہ
غازی شدہ مقابلِ میداں بر آمدہ

گہ تخت بر ہوائے بدیو و پری بُرد
بارے دگر بشکلِ سلیماں بر آمدہ

از عشق آں نمودہ مقام بجھنگ سیال
رانجھو صفت ز تخت ہزاراں بر آمدہ

دیدہ جمالِ خویش بخود مست شد چناں
شیدا و والہ و ہمہ حیراں بر آمدہ

آں آفتاب حسن بہ عالم ظہور کرد
یوسف بمصر از چہ کنعاں بر آمدہ

وہ یار تھا کہ صورتِ انسان آ گیا
غازی تھا اور برسرِ میدان آ گیا
جنّ و پری تھا اڑتا رہا لے کے تاج و تخت
پھر آگیا بشکل سلیمان آ گیا
عشق اس کا جھنگ سیال، میں رانجھو صفت تھا وہ
ہاں چھوڑ کر جو تخت ہزاران آ گیا
اپنا جمال دیکھ کے اتنا وہ مست تھا
شیدا و والہ خود پہ ہی حیران آ گیا
وہ آفتابِ حسن جو چمکا جہان پر
جوں مصر میں وہ یوسفِ کنعان آ گیا

در دلِ عشاقہا ایں بے قراری تا بہ کے
نالہا، فریادہا و زار و زاری تا بہ کے
در ملامت، در شکایت سر نمے پیچیم ما
در رہت ایں دیدہا را انتظاری تا بہ کے
دُلدلِ عشقت ربود از ما زمامِ اختیار
اختیارم رفتہ است بے اختیاری تا بہ کے
اے ز تیغِ ناز و غمزہ عاشقاں را مے کشی
بر سرِ مشتاقہا ایں حکم جاری تا بہ کے
از طرفِ دلدار آمد آشکارا ایں جواب
کز غمِ ایامہا را مے شماری تا بہ کے

عاشقوں کے دل میں ایسی بے قراری کب تلک
ایسے نالے، اتنی فریادیں یہ زاری کب تلک

ہر ملامت، ہر شکایت اپنے سر پہ جھیل لی
ہاں سرِ راہِ وفا یہ انتظاری کب تلک

چھین لی ہے عشق نے ہم سے زمامِ اختیار
اختیار اپنا چھنا، بے اختیاری کب تلک

کر رہے ہو عاشقوں کو قتل تیغِ ناز سے
اپنے مشتاقوں پہ لیکن حکم جاری کب تلک

آشکارا یار نے، دلدار نے کہلا دیا
کر سکو گے روز و شب کی غم شماری کب تلک

عشق بے نام و نشان ست تو خود مے دانی
ذات آں عین و عیان ست تو خود مے دانی
عاشقاں رقص کناں بر درِ تو مخمور اند
گریہ و نالہ فغان ست تو خود مے دانی
اندریں دردِ فراقت، عمرم مے گذرد
ایں عیاں را چہ بیان ست تو خود مے دانی
زیستن جز تو دریں عالم دشوار بسے است
حالتم بیں کہ چنان ست تو خود مے دانی
آشکارست کہنِ سال بدانی صنما
در خیالِ تو جوان ست تو خود مے دانی

عشق بے نام ونشاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
ذات ہی عین و عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
تیرے عُشاق ترے در پہ ہیں اب رقص کناں
ہر طرف شورِ فغاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
زندگی کاٹ رہا ہوں میں تری فرقت میں
کوئی محتاجِ بیاں ہے ؟ تمہیں معلوم تو ہے
جینا دشوار ہے دنیا میں مجھے تیرے بغیر
میری حالت سے عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
آشکارا ہے کہن سال مگر جانِ جہاں
یاد میں تیری جواں ہے تمہیں معلوم تو ہے

ساقیا دہ مرا پیالہ شراب
تا شود محو زو گناہ و ثواب
کن مرا مست در جہاں ہمچو ل
دل گداز و ہمیشہ چشم پرآب

ساقیا، آزاد تو ز ہستی کن
لیل و نہار مرا بمستی کن
بے خبر از دو عالم ہمچول
چہ بلندی و چہ ز پستی کن

ساقیا، از مے لبالب کن ایاغ
خاطر از بوئش شود چوں باغ باغ
بسکہ غم دارم ز دوری یارِ خویش
یادِ مے جویم کہ پیشش چوں چراغ

ساقیا دے مجھے پیالہ شراب
بھول جاؤں میں سب گناہ و ثواب
مست کر اس طرح سے دنیا میں
دل ہو پُرسوز چشم ہو پرآب

ساقی مجھے آزاد تو کر ہستی سے
بھر دے یہ مرے شام و سحر مستی سے
رشتہ نہ رہے دونوں جہاں سے میرا
چھٹ جاؤں بلندی سے بھی اور پستی سے

ساقیا بھر دے لبا لب یہ ایاغ
اس کی خوشبو سے یہ دل ہو باغ باغ
دردِ ہجراں، جستجو اس یار کی
جس کی آنکھیں ہیں کہ جلتے ہیں چراغ

آں خدا بخشید اُو را شوقِ عشق
آں تعالیٰ داد اُو را ذوقِ عشق

آں کہ آدم ہست سالارِ فلک
داد سجدہ آں زماں اُو را فلک

کرسیٔ یزدان ایں آدم بود
چونکہ از آدم ہمہ عالم بود

ہست آدم در دو عالم سرفراز
ہست آں جا و ہم ایں جا شاہباز

صد سلاطیں، را کہ مجنوں مے کند
در جہاں مجنون و مفتوں مے کند

عالمان و قاضیان و مفتیاں
صد فلایاں مے شود مجنوں ز آں

رب نے بخشا اس کو سارا شوقِ عشق
اس نے آدم کو دیا ہے ذوقِ عشق

ہاں وہی آدم ہے سالارِ فلک
اُس کو اُس دم سجدہ کرتے تھے ملک

کرسیٔ یزداں یہی آدم تو تھا
ایک اس کے دم سے ہی عالم تو تھا

آدمی دونوں جہاں میں سرفراز
اس طرف یا اس طرف ہے، شاہبانہ

عشق نے شاہوں کو مجنوں کر دیا
عشق نے دنیا کو مفتوں کر دیا

قاضی و مفتی و عالم ہیں غلام
عشق لاکھوں کے جنوں کا ہے امام

ہر کجا آں شاہ عشق خیمہ زد
ہر کسے را زیرِ فرماں آورد

عقل را آں جا نہ جائے رفتن است
ہم ز ایماں کیشِ دیں برگشتن است

عشق شاہ است و عقل دربانِ او
ایں سپاہی یک بود سلطانِ او

عشق مے باشد ہمہ آگاہِ راز
عشق اندر ہر دو عالم شاہباز

اے پسر جز عشق دیگر راہ نیست
عشق سلطان است دیگر شاہ نیست

عشق جسم و جان را سازد فنا
از فنا مے آورد سوئے بقا

عشق خیمہ زن جہاں پر ہو گیا
ہر کوئی طاعت میں اس کی کھو گیا

عقل کا واں تک پہنچنا ہے محال
دین و ایماں کا نہیں رہتا سوال

عشق شاہ اور عقل واں دربان ہے
یہ سپاہی ہے تو وہ سُلطان ہے

عشق سر سے پاؤں تک آگاہ راز
عشق ہے دونوں جہاں میں شاہبانہ

اے پسر جُز عشق کوئی رہ نہیں
عشق ہے سُلطان کوئی شہ نہیں

عشق جسم و جاں کو پیغام فنا
ہے فنا دراصل پیغام بقا

عشق دریائے ست بے پایانِ آں
موج اندر موج آرد بے کراں

عشق آں از بطن آگاہی دہد
گہہ گدایاں را شہنشاہی دہد

عشق را دانی کہ شعلۂ آتش ست
در دلِ پروانہ آتش چہ خوش است

عقل گوید وِرد را ہر روز خواں
عشق گوید ایں ہمہ باشد زیاں

عقل گوید طاعت و تقویٰ بکن
عشق گوید خویش را رسوا بکن

عشق گوید از ملامت دور باش
عشق گوید ملحدِ مشہور باش

عشق ہے دریائے ناپیدا کنار
موج اندر موج بے حدو شمار

عشق اندر کی ہے ساری آگہی
بخش دیتا ہے گداؤں کو شہی

عشق ہے یا شعلۂ جوالا ہے
دیکھ کر پروانہ ناچے پے بہ پے

عقل کہتی ہے کہ ہر دم وِرد کر
عشق کہتا ہے زیاں ہے سر بسر

طاعت و تقویٰ کی باتیں عقل کی
عشق کہتا ہے ہو رسوائی تری

عقل کہتی ہے ملامت سے ہو دور
عشق کہتا ہے کہ ملحد ہو ضرور

عقل مے گوید برو افگن نقاب
عشق مے گوید بروں شو از حجاب

عقل گوید سجہ و سجّاد دار
عشق گوید کن تیاری سوئے دار

عقل گوید از بدی پرہیز کن
عشق گوید نیک و بد آمیز کن

عقل گوید پارسائی کن بسے
عشق گوید بے نوائی کن بسے

عقل مے گوید تو در ہستی بیا
عشق مے گوید تو در مستی بیا

عقل را دانی کہ در تقلید شد
عشق را خوانی کہ صد توحید شد

عقل کہتی ہے کہ لے منہ پر نقاب
عشق کہتا ہے کہ چھوڑو سب حجاب

عقل کہتی ہے کہ کر تسبیح نماز
عشق بولے دار پہ ہو سرفراز

عقل کہتی ہے بدی سے بچ کے چل
عشق چاہے نیک و بد ہوں یک عمل

عقل کہتی ہے کہ بن جا پارسا
عشق کہتا ہے، سراپا بے نوا

عقل کہتی ہے کہ آ ہستی میں آ
عشق کہتا ہے، نہیں، مستی میں آ

عقل کیا ہے سر تا پا تقلید ہے
عشق کیا ہے نعرۂ توحید ہے

ملک و جاہ و تخت خواہی در جہاں
کے شوی تو از گروہِ صوفیاں

با غلامانِ لطیف و تختِ زر
کے شوی از راہِ معنیٰ باخبر

با سپاہ و لشکر و طبل و علم
کے رسی در خوانِ فضلِ ذوالکرم

با سوارانِ دلیر و کرّ و فر
کے رسی در راہِ مرداں اے پسر

با حکیمان و ندیمانِ جہاں
کے رسی اندر طریقِ عاشقاں

پردہ را اوّل زخود تو باز کن
دانگہے برخیز و رہ را ساز کن

تاج و تخت اور ملک بھی تجھ کو ملے
صوفیا سے پھر ہوں کیسے رابطے

ہوں غلاموں کے گروہ اور تخت زر
راہ معنی سے رہے گا بے خبر

یہ سپاہ یہ لشکر و طبل و علم
کیسے ہو گا تجھ پہ فضلِ ذوالکرم

شہسواروں کا یہ ترے کر و فر
راہِ مرداں تک نہ پہنچے گا پسر

یہ حکیمان و ندیمانِ جہاں
کیسے سیکھے گا طریقِ عاشقاں

اپنے چاروں اور سے پردے ہٹا
پھر قدم اس راہ پر اپنا اٹھا

رُو ز نورِ عشق شمع بر فروز
پرده ها را سر بسر کلی بسوز

چوں بسوزی پرده ها را اے قباد
آں زماں گردی ز وصلِ دوست شاد

چوں ترا پیدا شود آں بحرِ نورؐ
ہر دو عالم از دلت گردد نفور

بادشاہی و بزرگی ایں جہاں
مختصر گردد بہ پیشت اے جواں

ایں سرا و باغ چوں زنداں شود
سود ایں عالم ہمہ خسراں شود

ایں زر و ایں گنج و ملکِ بے شمار
جملہ در چشمِ تو گردد ہمچو مار

عشق کی لَو سے منور کر چراغ
پھر جلا دے اس سے پردے داغ داغ

اے شہنشاہ جب یہ پردے جل بجھیں
وصل کے لمحے تجھے اس دم ملیں

سامنے آئے گا جب دریائے نورؔ
ہر دو عالم سے یہ دل ہو گا نفور

اس جہاں کی بادشاہی، عزّ و جاہ
بے حقیقت ہوں گے جیسے گردِ راہ

ہوں گے زنداں قصر یہ، یہ گلستاں
اس جہاں کا سُود بھی ہو گا زیاں

ملک و گنج و زر یہ تیرا بے شمار
سانپ بن کر آنکھ میں کھٹکے گا خار

این سخن از جان و دل تو کن قبول
تا شود فردا شفیعِ تو رسولؐ

این سخن راهِ سلوک است ویقیں
تا شود علم الیقیں عین الیقیں

اے ز وصلت عاشقاں آشفتہ کار
ہمچو منصور آمدہ در پائے دار

اے وصالت آرزوئے جانِ من
آتشے زد در دلِ ویرانِ من

اے وصالت روشنائی جہاں
اے وصالت حاصلِ صاحبدلاں

اے وصالت گشتہ بر من آشکار
مے برد فردا مرا در پائے دار

یہ سخن تو جان و دل سے کر قبول
روزِ محشر ہو شفیع تیرا رسولؐ

یہ سخن راہِ سلوک و صدیقیں
اس سے ہے علم الیقیں عین الیقیں

وصل سے عاشق ہیں سب آشفتہ کار
آئے ہیں منصور بن کر سوئے دار

وصل تیرا آرزوئے جانِ من
دل کے ویرانے میں آتش شعلہ زن

وصل تیرا، روشنی، اندر جہاں
وصل تیرا، حاصلِ صاحبدلاں

وصل تیرا مجھ پہ ہے اب آشکار
ہاں رسن میں دار میں ہے وصلِ یار

اُردو

اگر صورت میں ہے آدم، سراسر خود خدا ہو گا
کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی وہ مصطفےٰؐ ہو گا

کبھی ماتم زدہ ہے وہ کبھی ہے بزمِ عشرت کے
کبھی اسمِ حسینؓ ہے وہ، کبھی شاہِ کربلا ہو گا

کبھی ہے صاحبِ عظمت، کبھی ہنسنا کبھی رونا
کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ، کبھی وہ مرتضےٰ ہو گا

کبھی تھگلی، کبھی گدڑی، کبھی اطلس، کبھی مخمل
کبھی درویش اور بیدل، کبھی وہ بادشاہ ہو گا

کبھی رونا، کبھی ہنسنا، کبھی وہ رنج و راحت میں
کبھی بدخواہ بدنیت، کبھی وہ آشنا ہو گا

کبھی موجیں، کبھی لہریں، کبھی اُٹھنا کبھی گرنا
کبھی دریا، کبھی کشتی، سچل وہ ناخدا ہو گا

آنے کا تیرا مجھ کو، ہے انتظار ہونا
رُخ دیکھنے کو تیرے دل بے قرار ہونا

یہ چشم ہیں شکاری کرتی ہیں قتل مجھ کو
تجھ کو ہے عاشقوں کا شوقِ شکار ہونا

تجھ بن رہی نہ طاقت، مجھ میں مرے سرجن
روزِ ازل سے یوں تھا بے اختیار ہونا

اس دل میں عشق نے ہے کیا شور و شر مچایا
فرقت میں تیری رونا ہے بار بار ہونا

آہوں سے عاشقوں کی تیرا کنارہ کرنا
ہے آگ عشق کی میں شورِ حمار ہونا

سچل غریب کیا ہے، آشفتہ اس صنم کا
درشن کو عاشقوں کا، لاکھوں ہزار ہونا

مجھ کو بتا تو قاضیا کیسا تمہارا کام ہے
تجھ کو کتابوں کی خوشی میرے لئے ناتام ہے

عاشق جلا دے آگ میں سارے کتابوں کے ورق
اک نام میرا یاد کر، یہ دوست کا پیغام ہے

مجھ کو تو مارا ہجر نے کہتا ہے تو آ پڑھ کتاب
گھر میرے اس محبوب کی آمد کا آج انجام ہے

کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ عشق ہے جس کا امام
دم بھر بھلانا دوست کو، نے عاشقوں کا کام ہے

کیا نیک نامی ہے تری اس عشق میں لے بے خبر
تیری جماعت میں ترا بر ہا بہت بدنام ہے

آخر یہ مطلب پا لیا مرشد نے یہ ہم سے کہا
بن عشق دلبر کے سچل کیا کفر کیا اسلام ہے

حیران ہوا، حیران ہوا، اس حسن پہ میں حیران ہوا
دل کس پہ مرا نادان ہوا، نادان ہوا، نادان ہوا

ترے جلوۂ حسن سے ہر عاشق فرقت میں جلا کرتا ہے صنم
اس زہد و ریاکاری سے مرا یکبارگی دل نادان ہوا

یہ غمزہ و ناز کی فوج کشی، اے دلبر تیری خاص ادا
کیا دل پہ میرے جادو ہے کیا، کیا تن من سب مستان ہوا

یہ زلف پڑی کیوں میرے گلے، یہ پیچاں پیچ اور مارِ سیہ
رُخ مجھ سے چھپایا کیوں تو نے جب تجھ پہ یہ دل نادان ہوا

منصور ہو یا سرمد ہو صنم یا شمس الحق تبریزی ہو
اس تیری گلی میں اے دلبر، ہر ایک کا سر قربان ہوا

ہاں عشق کا تیرے ہے دعویٰ، مسکین بیچل کو میرے صنم
کیا خوب تری اس الفت میں، مسکین سے میں سلطان ہوا

تو اپنی قدر کو پہچاں، سپہ سالار تو ہوگا
توئی اندر، توئی باہر، ہمہ اظہار تو ہوگا

اگر تو قدرِ نعمت سے رہا غافل، تو رہنے دے
مگر جب خود کو پہچانا، سدا سردار تو ہوگا

اگر منصور بن کر دہر میں مطلب کیا حاصل
انا الحق کہنے سے بے شک ہمہ دیدار تو ہوگا

جو ہے حلاج سُولی پر، ہُوا فارغ وہ ہستی سے
نڈر بن کر 'انا احمد' کیا اظہار تو ہوگا

کہاں کا تھا وہ اسکندر، ہُوا دنیا پہ جو قابض
جو جیتا ملکِ دل تو نے، سکندر وار تو ہوگا

سچل کی ذات ہے معلوم، جو سمجھا، وہی ہے تو
نہیں کوئی دوسرا دلبر، وہی دلدار تو ہوگا

اناالحق جب کہوں گا میں سرِ میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

مقرر ہوں میسّر ہوں، قدم باہر نہیں رکھتا
ملامت بار ہے بھاری جواب سر پر اٹھاؤں گا

بتایا مجھ کو مُرشد نے نہیں تم غیرِ حق ہرگز
'ولاموجود الاھو' یہ نقارہ بجاؤں گا

مجھے جب حکم ہوتا ہے، بجا نوبت اناالحق کی
اسی عالم میں برہے کا تماشا اب دکھاؤں گا

ھوالظاہر ھوالباطن وہ حق موجود دوجگ میں
کہا سولی پہ جو منصور نے میں وہ کہاؤں گا

سچل تو سرّ معنیٰ ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا
دل و جاں عشق کی اس آگ میں یارو جلاؤں گا

دل ہوا ویران، دلبر آج سیلانی ہوا
سن رے زاہد! مرے دل پر داغ صنبانی ہوا

کچھ نہیں تسکین دل کو، ہجر کی ہیہات سے
کیوں نہ دیوانہ بنوں جب دور وہ جانی ہوا

ہے غنیمت مجھ کو یار و دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں، جب یہ جہاں فانی ہوا

ہم نے دم بھر جلوہ دیکھا، دے دیا اس نے فراق
یہ وصالِ یار گویا، ابرِ آسمانی ہوا

میں گداگر پھر رہا ہوں، بہرِ جاناں دربدر
کیا خبر کس کس گلی میں، سیرِ سلطانی ہوا

شیوۂ مرداں ہے مرنا یاد میں اس دوست کی
سر بیچل کا اس گلی میں کارِ قربانی ہوا

سنورے آج سر میرے برہ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرہ نیسان آیا ہے

زلیخا کی تمنا اور طلب کو دیکھ کر بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعان آیا ہے

برائے خواہشِ الفت ہوا اغیار وہ بے چوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انسان آیا ہے

گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر، زلف شانوں پر
برائے قتلِ معشوقاں وہ مع طولان آیا ہے

تجلی دیکھ کر موسیٰؑ ہوا مدہوش مستی میں
پلٹ کر پھر شعاعِ شمع پر پروان آیا ہے

سنبھل کر گوئے سر میداں پہ سر بھی دے سر سجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سرِ چوگان آیا ہے

ملنے کو تیرے دلبر، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا، میں سر بسر ہوا ہوں

پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھرے دل اداسی
تیرے لئے گداگر، میں در بدر ہوا ہوں

فرقت میں تیری رونا، دن رین مجھ کو حاصل
"حبل الورید" سے بھی، میں بے خبر ہوا ہوں

اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
لاتقنطوا من رحم، میں بے خطر ہوا ہوں

سمجھا تھا دور میں نے، لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں، میں در نظر ہوا ہوں

فریاد سُن سریجن، بہر خدا سچل کی
آ دیکھ حال میرا، میں پُر شرر ہوا ہوں

کس کو میں یہ سناؤں، وہ یار ہے خیالی
پوچھے نہ حال میرا کیوں دوست لااُبالی

آنکھوں میں اس کی کاجل، ہاتھوں پہ اس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جام پرتگالی

دیکھو اے دوستو تم، کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی

کرکے وہ ناز و عشوہ، عشاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھو یہ چُست چالی

بے چارہ اک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں، کیا حسن لایزالی

بہرِ کرم تم آؤ، میری گلی اے دلبر
دن رین تیرے در پر، ہے سگ سچل سوالی

یار مرا ہر صورت رنگا رنگی آپ دکھائے گا
ملاّ ہو یا قاضی ہو یا پھر سے تلک لگائے گا

حافظ بن کر حفظ کرے گا، پوتھی بھی وہ پڑھائے گا
جوگی بن کر، جوگ کما کر، گنگا پر بھی جائے گا

ہاٹ پہ آ کے بیٹھے گا اور پھر سے بانگ سنائے گا
لُوں لُوں دے وِچ لالی لا کے، پیالہ عشق پلائے گا

شاہی نام جو آپ پہ دھر کر سارا دیس دبائے گا
مفتی بن کر، فتوےٰ دے کر، سولی پر لٹکائے گا

کب کب پائے برہنہ بن کر، کونتل پھیر کدائے گا
ساگا جوڑ سناسی پھرتا، سامی نام سنائے گا

سچل کیوں نہ پچھانی صورت، سارا ایک سمائے گا
نوعا نوع پوشاکاں کر کے، دلبر اس جگ آئے گا

مری آنکھوں نے اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر، اُس خورشید کا، انوار دیکھا تھا

جلایا طورِ سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ اظہار دیکھا تھا

کہا اس بار اسی نے بالیقیں کلمہ اناالحق کا
رہِ اسرار میں منصور کو بر دار دیکھا تھا

جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اس مدہوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا

کنارا تھا نہ جس کا، تو سچل اس بحر میں آیا
نگوں سار اس میں ہر اک طالبِ دیدار دیکھا تھا

برہا ہے سب مشکل بازی، کون رے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اس کو، سارا ہوش گنوائے گا

نام و نشان سے بن کے بیگانہ، دلبر اس جگ آئے گا
عشق کی اس کے ہے یہ نشانی، دین اور کفر اڑائے گا

برہا ہے جس کا ہاتھ ہے پکڑا اس کا سر کٹوائے گا
عشق کا ہے یہ عشوہ، یارو، سولی پر چڑھوائے گا

دیکھنا ہے اب بعد میں اس کے کیسا رنگ بنائے گا
اسپِ محبت دل کے اس میدان پہ وہ دوڑائے گا

سچل سوز فراق صنم کا نت نت رنگ دکھائے گا
غم کی فوجیں کریں گی حملہ، مجھ کو برہا بچائے گا

بلبل کو بر ہا پہنچا، آئی ہے رُت بہاراں
فریادِ وصل اس کی ہے مثلِ بے قراراں

میں نے یہ اس سے پوچھا، عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زار زاراں

منقار ہے گلوں پر، پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں

بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے مرے لئے نگاراں

آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے یہ گل میں چھوڑوں نہیں پکاراں

کرتا ہوں اسے سجن اس باب شکر للہ
اس برہا نے کیا ہے بے تاب شکر للہ

تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بے خواب شکر للہ

کیا ورد، کیا وظائف، کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوا ہوں شدّو اعراب شکر للہ

وحدت کا اڑ کے آیا شہباز میرے دل پر
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب شکر للہ

ظاہر ہو یا ہو باطن اندر ہو یا ہو باہر
سچل سپرد تیرے ہر باب شکر للہ

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا امام ہوا

کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا

ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں انگلیاں یہ کام ہوا

کیا ہے دل پہ ترے عشق نے قیام اپنا
مرا فرائض و سنت کو اب سلام ہوا

کروں میں شکرِ خدا اور پڑھا کروں الحمد
سحرؔ، یہ عشق کا تحفہ ترے ہی نام ہوا

قاضی تم سے کیا ہیں کہوں وہ یار ہے موجِ دار ہوا
یار ہے موجِ دار ہوا، اِک بحر ہوا زخار ہوا

دیکھ الف کی گدڑی ہیں تو اوروں کو دیدار ہوا
جس کو اپنے دل کی سوجھی وہ نہ کبھی ہوشیار ہوا

سُرخی لال لبوں پر اس کے، رُخ بھی ہے محراب نما
جس نے دیکھا مست ہوا، مدہوش ہوا، مے خوار ہوا

اس خاکی رنگ کی گدڑی ہیں اور کوئی اسرار ہوا
خود کو چھپایا جثہ ہیں اور خود سے خود بیزار ہوا

آیا اس چوگان ہیں سچل نام لیا اس دلبر کا
سُولی پر وہ سوار ہوا اور مستی ہیں سرشار ہوا

الفت کا شہباز صنم نے میری طرف اڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے

مُرغِ ادب کی تاب ہے اس کی، لیکن آپ چھپایا ہے
اس کا ہے ماں باپ نہ کوئی وہ نہ کسی کا جایا ہے

عرش اور کرسی پر وہ پریشاں، دھرتی پر چل آیا ہے
دردمندوں کے دل پر اس شہباز نے گھر بنوایا ہے

جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اس کے پر میں چھپے ہیں بیچل پر بھی چھایا ہے

کاگا نے یہ خبر سنائی یار مرے گھر آئے گا
آئے گا کوَل جائے گا، پھر تجھ کو برہا پچھائے گا

یار مرا غیور ازل سے، عاشق کو ازمائے گا
پہلے اپنا مکھ دِکھلا کر، پھر سے ہجر اُٹھائے گا

دم دم دوست دلاسہ دے کر غم کا جام پلائے گا
کس دن آپ دکھائے گا پھر کس دن آپ چھپائے گا

سچل تجھ کو دلبر اپنا خود دیدار دکھائے گا
جب تب اوّل آخر ساجن پاؤں تیرے پائے گا

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی

ترے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل اُلفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ دو چار دن فراق
سیکھی کہاں سے تُو نے یہ رسمِ آشنائی

واپس دے دل تجلّی کا کوچے میں جو پڑا ہے
سینے پہ اس کے نوبت اُلفت نے ہے بجائی

Sachal Sarmast:

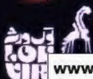
one of the leading mystics, is known as Haft Zuban Shair being master of seven languages. He wrote in Sindhi, Saraiki, Persian and Urdu languages.

Sachal Sarmast was born in Sindh but enjoys a large following all over Pakistan. Although he is considered a difficult poet but his general message is for the masses. He sympathises with the hardship of the common man.

Urdu versified translation of his works is being published by the Lok Virsa under its series on mystic poets.

Cover Design: Athar Rasul

زیر اہتمام
مشترکہ اشاعتی پروگرام



Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan

الفیصل